www.iqbalkalmati.blogspot.com

نئی صدی کا عذاب

ایم مبین

www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اپنی بات

اپنا دُوسرا افسانوی مجموعہ " نئی صدی کا عذاب " آپ کے ہاتھوں میں دیتے ہُوئے مجھے بڑی مسرت ہو رہی ہے۔ میرے پہلے اور دُوسرے افسانوی مجموعے کے درمیان کوئی زیادہ وقفہ نہیں ہے، اِس لئے اِس دوران ادب میں رُو نما ہونے والی تبدیلیوں کا تذکرہ یہاں ضروری نہیں۔ہاں ، اِس دوران دُنیا میں بے شمار تبدیلیاں آئیں اور ایسے واقعات پیش آئے ہیں ، جس نے تاریخ کو دہلا کر رکھ دیا ہے۔۱۱ / ستمبر کا بم بلاسٹ، گجرات کا خوں ریز فساد، افغانستان اور عراق پر امریکی فوج کشی، اسرائیل کا فلسطینیوں پر بڑھتا جبر و ظلم، ملک میں ہندتوا کے نام پر مرکزی حکومت کی زیر سرپرستی بڑھتا فاشسٹ طاقتوں کا زور، کنزیومر کلچر کا بڑھاوا، الیکٹرانک میڈیا کا تیزی سے پھیلتا تسلط، سچ اور جھوٹ

کے معیار کو طے کرنے کے میزان، اِقدار کا ٹوٹنا اور اخلاقیات کی پامالی۔ظاہر سی بات ہے، اِن تمام باتوں کا اثر میری تحریر پر پڑنا تھا۔کیونکہ میں ایک حساس دِل و دماغ کا مالک ہُوں جو ظلم اور جور و ستم برداشت نہیں کر پاتا۔ اِس لئے اِس کتاب میں شامل بیشتر افسانوں میں آپ اس کی جھلک دیکھیں گے، یہ دراصل میرا احتجاج ہے۔میرے خیال میں آج کے ادیب پر یہ ذِمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اِس ظلم و جبر کے خلاف احتجاج کر کے عوام کو اصلیت سے آگاہ کرے۔اور میں اپنے اِس احتجاج میں کہاں تک کامیاب ہوں ، یہ میرے قارئین کو طے کرنا ہے۔

آخر میں مَیں ، اُن تمام افراد کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہُوں ، جن کے تعاون کے بغیراِس کتاب کا آپ تک پہنچنا ممکن نہ تھا۔عزیزی مظہر سلیم جنھوں نے کتاب کی اشاعت کی ذِمہ داری لی، نور شفیع نے کمپیوٹر طباعت کے فرائض

www.iqbalkalmati.blogspot.com

انجام دئے، رؤف صادِق،نے سرِوَرق تیار کیا، حقانی القاسمی اور ابراہیم اشکؔ نے اپنی بے پناہ مصروفیت کے باوجود میرے افسانوں کو اپنی قیمتی آراء سے نوازا۔میرے دوست جاوید ندیمؔ اور جناب اصغر حُسین قریشی نے کتاب کی اشاعت کے متعلق مفید مشوروں سے میری پذیرائی کی اور سب سے زیادہ شکر گزار میں مہاراشٹر راجیہ اُردو ساہتیہ اکادمی کا ہُوں کہ جس نے اِس کتاب کی اشاعت میں جزوی مالی تعاون دیا۔

ایم۔مبین (۲۱ ستمبر ۲۰۰۳ء، بھیونڈی

کالی رات کا تخلیقی نوحہ

حقّانی القاسمی

ہمارے عہد کی رات میرؔ کے عہد کی رات سے زیادہ بھیانک اور دہشت ناک ہے۔ہمارے عہد کا تخلیق کار جس بھیانک

کالی رات میں قید ہے، اس کالی رات کو وہ اِظہارات کے مختلف پیرائے میں پیش کر رہا ہے۔

آج کے عہد کی رات نے تخلیقی ذہنوں میں جس عدم تحفظ، خوف اور دہشت کو جنم دیا ہے، وہ خوف ہی ان کی تخلیق کا بُنیادی محور بن گیا ہے۔ہمارے عہد کے ہر حساس تخلیق کار کی فکری مطاف، خوف، دہشت اور جبریت ہے۔وہ جو انتظار حُسین نے کہا ہے وہ آج کی صورتِ حال پر مکمل طور پر صادِق آتا ہے۔آج کا تخلیق کار اِس جنجال اور دُبدا میں ہے جیسی دُبدا انتظار حُسین نے محسوس کی ہے۔

شاعری تو ایسی بھی ہوتی ہے، جو نعرے ہی کے زور پر چمکتی، گرجتی ہے۔مگر کہانی ایسی چھوئی موئی ہے کہ نعرے کا پرچھاواں بھی پڑ جائے تو مرجھا جاتی ہے۔پھر کہانی کیا کرے ؟ ایک طرف جنگ ہے، دہشت گردی ہے، بُنیاد پرستی ہے، کلاشنکوف ہے، ایٹمی دھماکے ہیں ، نظریات ہیں ، جن کی

چھتری میں یہ سرگرمیاں اخلاقی جواز حاصل کرتی ہیں۔
دُوسری طرف اس کے خلاف نعرے ہیں ، خطبے ہیں ،
تقریریں ہیں۔چکی کا ایک پاٹ وہ، دُوسرا پاٹ یہ .....
جمیعتِ خاطر کوئی صورت ہو، کہاں ہے ؟ کہیں نہیں۔ صحیح
کہا کہ آسُودگی کا تو بس نام ہی رہ گیا ہے۔آسُودگی عرضیت
نہ یاں ہے نہ وہاں ہے۔یہ تو وہی سوداؔ والا زمانہ واپس
آگیا۔اُس سے بھی بُرا، نئے بٹ مار، نئے قزّاق، لُوٹیں ہیں
دِن رات بجا کر نقّارہ نفرت کا بول بالا، حرفِ محبت عنقا، کلامِ
نازک بے اثر، کیسی شاعری کہاں کی کہانی، دِل میں خس
کی برابر جگہ نہ پائے۔ کبیرؔ رویا، سوداؔ نے زہر خند کیا، ادھر
قلم رُک گیا۔اب میں دُبدا میں ہُوں۔اِسی قسم کی دُبدا جو
داستانوں ، کہانیوں میں وقتاً فوقتاً مہم جُو شہزادے کو آ لیتی
ہے۔کہ پیچھے کھائی، آگے سمندر، نہ پائے رفتن نہ جائے
ماندن، پھر کیا کیا جائے۔بس اچانک خواجہ خضرؔ نمودار ہوتے

ہیں کہ میری اُنگلی پکڑ اور چل یا کوئی غیبی آواز آتی ہے کہ
لوح کو پڑھ او راِس میں جو کچھ لکھا ہے، اس پر عمل کر۔
میرے پاس کون سی لوح ہے۔ہاں ، ہاں ہے۔الف لیلہ !
میرے پاس یہی لوح ہے۔لوح کہو، فکشن کا اِسم اعظم کہو اور
یہ اب کون سی آواز آئی جیسے سُنی ہُوئی ہو۔ارے، یہ تو الف
لیلہ کے وَرقوں کے بیچ سے ..... شہر زاد آواز ہے۔کیا
کہتی ہے، کچھ بھی نہیں کہتی ؟ نہ کوئی ہدایت، نہ کوئی پیغام،
نہ کوئی فلسفہ، نہ کوئی نظریہ۔بس کہانیاں سُنائے چلی جا رہی
ہے۔ایک کہانی، دُوسری، تیسری کہانی، سلسلہ ٹُوٹنے ہی میں
نہیں آ رہا۔اے وزیر زادی ! اے کہانیوں کی ملکہ ! ایسے
وقت میں تمھیں کہانیوں کی سُوجھی ہے۔جان کی خیر مانگو،
یہ سب رات رات کا کھیل ہے۔ صبح ہونے پر تمہاری گردن
ہو گی اور جلاد کی تلوار۔ کہانی رات کو اِسی لئے سُنائی جاتی ہے
کہ وقت کٹے اور رات کٹے۔میں بھی ایک لمبی کالی رات کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سانس لے رہا ہُوں۔اِس رات کا دستہ شہر زاد کی راتوں سے ملتا ہے۔تو گویا اس رات کا بھی تو توڑ یہی ہے کہ کہانی کہی جائے۔جب تک رات چلے، کہانی چلے۔

ایم۔مبین کی کہانیاں بھی اسی رات کا توڑ ہیں اور اسی رات کی اندوہناکی کو اُنھوں نے اپنی تخلیق کی بُنیاد بنایا ہے۔ایم۔مبین جیسے تخلیق کار جو کھلی آنکھوں سے سماج اور سیاست کا منظر نامہ دیکھ رہے ہیں ، اُن کا المیہ یہی ہے کہ وہ ان سانحات اور واقعات سے اپنی آنکھیں بند نہیں کر سکتے جو آج کل کے صنعتی شہر ی معاشرے میں رُو نما ہو رہے ہیں۔ایک حساس ذہن وقت کی دستکوں کو اپنے سینے پر محسوس کرتا ہے اور یہی دستکیں اُس کے پورے وجود میں پھیل جاتی ہیں تو وہ بے کلی اور اضطراب سا محسوس کرتا ہے اور یہی اضطراب جب تخلیق میں بدلتا ہے تو یہ اضطرابی لہریں اُن ذہنوں کو بھی اسیر کر لیتی ہیں ، جو اُنھیں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

محسوسات کی سطح پر دیکھتے تو ہیں ، مگر اِظہاری سطح پر اپنے درد کا اِظہار کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔

ایم۔مبین کے افسانے آج کے عہد کا آشوب نامہ ہیں۔ اُنھوں نے اپنے عہد کے انتشار کو تخلیقی ہنر مندی کے ساتھ اپنے اِظہار کا لمس عطا کیا ہے۔اپنے عہد کی معاشرتی، سیاسی صُورتِ حال اور انسانی ذہن اور احساس کی کیفیات کو بڑی ہی فن کاری کے ساتھ اپنی کہانیوں میں پیش کیا ہے۔اور یہاں اِس حقیقت کا اِظہار ضروری ہے کہ جن تخلیق کاروں نے اپنے عہد کے انتشار کو اپنی تخلیق کا محور بنایا ہے، وہ زمانی و مکانی حدُود سے ماورا ہو گئے ہیں اور ان کی تخلیقات کو مابعد کے زمانوں میں حوالوں کی حیثیت حاصل رہی ہے۔

ایم۔مبین نے بھی اپنی تخلیق میں زیادہ تر اپنے عہد سے ہی سروکار رکھا ہے اور اپنے عہد کی تمام تر تصویروں کو اپنی تخلیق میں قید کر لیا ہے۔اُنھوں نے تجریدی طرزِ اِظہار یا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

علامتی اسلوب سے قاری کے لئے پیچیدگیاں پیدا نہیں کیں بلکہ صاف شفّاف بیانیہ اسلوب میں اپنے عہد کی تفہیم کی کوشش کی ہے اور اس میں قاری کی ذہنی سطحوں کا بھی خیال رکھا ہے۔ان کے اسلوب میں جو کھردرا پن ہے، وہ بھی ماحول کا زائیدہ ہے۔ایسے پُر خطر ماحول میں انسان کی سوچ بھی کھردری ہو جاتی ہے اور زندگی کی بے کیفی اسلوب پر حاوی ہو جاتی ہے۔اِس کا مطلب یہ نہیں کہ اُن کے لہجے اور اسلوب میں صرف کرختگی ہے، بلکہ یہ کرختگی افسانے کا تقاضہ ہے اور اِس کی تکمیل کے لئے یہ اسلوب ہی ناگزیر تھا۔

ایم۔مبین کی کہانیاں اپنے عہد کی تاریخ بھی ہیں اور اپنے عہد کا اضطراب بھی۔ان کے بیشتر افسانوں کا محور مذہبی خطوط پر انسانی ذہنوں کی تقسیم اور اس تقسیم سے پیدا شدہ بھیانک مسائل ہیں۔ایم۔مبین کے افسانوں میں فسادات، جبر

اور ہولناکی کی جو فضا ہے، وہ آج کے ماحول کی دین ہے۔ ان کے زیادہ تر افسانےSystem کے خلاف ہیں۔وہ سسٹم جو ساری بُرائیوں اور سارے فساد کی جڑ ہے۔دراصل یہی وہ نظام ہے،جس کی وجہ سے انسان زرد کُتّا بن گیا ہے۔ ایم۔مبین کے افسانوں میں سوالات ہیں ، احتجاج کی آوازیں ہیں اور یہی احتجاج آج کے افسانے کا غالب عنصر ہے۔ افسانوں سے احتجاج غائب ہو جائے تو افسانے معنویت کھو دیتے ہیں۔ایم۔مبین نے اپنے افسانوں کے ذریعہ اپنے عہد کی بے زبانی کو بھی زبان عطا کرنے کی کوشش کی ہے۔ دراصل خوف و دہشت میں جکڑی ہُوئی زبانیں جب سکوت اختیار کر لیتی ہیں تو مسائل اور بھی پیچیدہ ہو جاتے ہیں۔ایم۔ مبین نے آج کے انسان کے کرب اور ذہنی کیفیات کے تناظر میں کہانیاں لکھی ہیں اور یہ کہانیاں انسانی رِشتوں اور تعلقات کی کہانیاں ہیں۔اِس میںInner اور Outer

www.iqbalkalmati.blogspot.com

lifeکی جھلکیاں ملتی ہیں۔ان کہانیوں کے کردار بالکل ویسے ہی حقیقی ہیں ، جیسے " وار اینڈ پیس، وینٹی فےئر، مادام بواری "Tristam Shandyکے کردار حقیقی ہیں۔ایم۔ مبین کے افسانوی کرداروں کی آنکھوں سے محبت، جنگ، امن، دہشت، خوف، فیملی لائف، سوشل لائف کے سارے رنگ دیکھ سکتے ہیں۔یہ کردار راوی کے ذہن سے نکل کر قاری کے ذہن میں ہلچل اور ہیجان بپا کرتے ہیں۔

ایم۔مبین کی کہانیاں صرف ایک حساس ذہن کے اِضطراب کی آئینہ دار نہیں ہے، بلکہ ان کہانیوں میں ہمارے عہد کا اِضطراب ہے، وہ اِضطراب جو تخلیقی ذہنوں میں شعلگی کی کیفیت پیدا کرتا ہے اور پھر یہی شعلگی جب حساس خلّاق ذہن سے عام انسانی ذہن میں منتقل ہوتی ہے تو آگ سی دہکتی ہے اور قاری اپنے وجود کو شعلوں کے حصار میں محسوس کرتا ہے۔شہر زاد نے اپنے عہد کے کرب کو کہانی

میں پیش کیا تھا۔ہمارے آج کا تخلیق کار بھی اپنے عہد کے کرب کو پیش کر رہا ہے۔ایم۔مبین کے افسانوں کا اِمتیاز یہ ہے کہ اُنھوں نے اپنے افسانے میں آج کے عہد کی سوچ، کرب اور اس کے تمام تر زاویوں کو پیش کیا ہے۔

ایم۔مبین کی کہانیاں آج کی سچویشن کی شاعری ہے اور یہ شاعری اپنی تمام تر اِظہاری قوت کے ساتھ ہمارے عہد کے ضمیروں کو جھنجھوڑ رہی ہے۔یہ اِسی نوع کی پوئٹری ہے جیسی وار اینڈ پیس وِد رِنگ ہائٹس میں اور جین آسٹنؔ کے ہاں ملتی ہے۔

ایم۔مبین ... معنویت کی بسنت کا سنت

ابراہیم اشکؔ

کہانی کار ایم۔مبین سے میری پہچان ۱۹۷۹ء میں ہُوئی، جب ادارہ شمع کو چھوڑ کر میں نے سریتا گروپ کی ملازمت اِختیار

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی تھی۔اُن دِنوں ایم۔مبین کی کہانیاں " سریتا "،" مکتا" اور " گرہ شوبھا " میں کثرت سے شائع ہوتی تھیں۔وہ کہانیاں پڑھ کر مجھے اِس بات کا احساس ہونے لگا تھا کہ آگے چل کر یہ کہانی کار ادب میں اپنا کوئی مقام ضرور بنائے گا۔اِس بات کو اب چوبیس برس گزر چکے ہیں اور ان چوبیس برسوں میں اپنا مقام ادب میں بنانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔یہ مقام اُنھوں نے ہندی ادب میں بھی بنایا ہے اور اُردو ادب میں بھی۔ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کسی ایک زبان کا شاعر، ادیب یا کہانی کار بیک وقت دو زبانوں کے ادب میں اپنا ایک منفرد مقام پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ایسے قلم کار اُنگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں اور یہ بڑی بات ہے کہ ایم۔ مبین کا نام ان میں شامل ہے۔جہاں اُردو میں ان کے افسانوں کا مجموعہ" ٹوٹی چھت کا مکان " ادب میں مقبول ہُو ہے، وہیں دُوسری اور ہندی زبان میں اُن کے افسانوں کا

مجموعہ " یاتنا کا ایک دِن " عصری ادب کا سنگِ میل بن گیا ہے۔جس پر ایم۔مبین کو پچاس ہزار رُوپے کا خصوصی انعام بھی بغیر کسی جوڑ توڑ کے مل چکا ہے اور اِس بات پر جتنا بھی فخر کیا جائے، کم ہے۔کیونکہ آج کل زیادہ تر ایوارڈ یا تو خریدے جاتے ہیں یا اقرباء پروری کے شکار ہوتے ہیں۔ ایم۔مبین کا دامن اس بندر بانٹ سے قطعی پاک صاف ہے۔ یہ اِس بات کی دلیل ہے کہ اُن کے افسانے اِتنے کھرے اور سچّے ہیں کہ جھوٹ، فریب اور مکّاری کے اِس دور میں بھی اپنا اثر دِکھائے بغیر نہیں رہ سکتے۔یہ اُن کے قلم کی جیت نہیں تو اور کیا ہے ؟

عربی زبان کے ایک بڑے نقّاد سے کسی نے پوچھا کہ " آپ کی نظر میں سب سے اچھا شعر کون سا ہے ؟ " نقّاد نے جواب دیا۔"وہ شعر جسے پڑھنے یا سننے کے بعد ہر کوئی یہ کہنے لگے کہ ایسا تو میں بھی کہہ سکتا ہُوں ، لیکن جب وہ کہنے کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کوشش کرے تو کہہ نہ پائے۔ایم۔مبین کی کہانیوں پر بھی یہ بات صادِق آتی ہے۔اُن کی کہانیاں بھی اِتنی سیدھی اور سرل ہیں کہ پڑھنے والا یہ سوچنے لگتا ہے کہ ایسی کہانی تو میں بھی لکھ سکتا ہُں۔لیکن لاکھ کوششوں کے باوجود بھی وہ ایسی کہانی نہ لکھ سکے۔

ایم۔مبین کی کہانیوں کے موضوعات ہمارے جدید سماج کی منہ بولتی تصویریں ہیں ، جن پر دہشت کے سائے، یاتنا کے دِن کی تلخیاں ، آفس میں کام کرنے والے دِن بھر کے تھکے ہُوئے پُرش کی مجبوریاں ، کرفیو اور بم کے دھماکوں سے گونجتے اور جھلستے شہر کی بھرپور منظر کشی، اچھے اور بُرے کرداروں کے تجربات اور ان سب کے ذریعہ وہ اپنے عہد کی فنکارانہ انداز میں تاریخ لکھتے دِکھائی دیتے ہیں۔اِس بات کا اعتراف اُنھوں نے خود بھی " ٹوٹی چھت کا مکان " میں اپنی بات لکھتے ہُوئے اِس طرح کیا ہے۔

..... "ہر دَور میں کامیاب افسانہ وہی رہا ہے، جس میں اس دَور کی عکّاسی جھلکتی ہو۔کیونکہ جن افسانوں میں اس دَور کی عکّاسی کی گئی، بعد میں وہی افسانے ادبی، انسانی، تہذیبی تاریخ کے لئے حوالوں کی طرح کام آئے۔ "

"وراثت " میں ایک تخلیق کار کے درد کو بڑے ہی پُر اثر انداز میں ایم۔مبین نے پیش کیا ہے۔وہ اپنی زندگی کا تمام سرمایہ کتابوں کی شکل میں ردّی والے کو بیچ رہا ہے، کیونکہ اس وراثت کو سنبھالنے والا کوئی نہیں ہے۔

"اِنخلاء " جنگ کے بھیانک سائے اور سرحد پر بسے گاؤں والوں کی دربدری کا منظر نامہ ہے۔کہانی کار نے ایک اچھوتے موضوع کو چھوا ہے اور اِس کے بیان میں پوری طرح کامیاب ہے۔انسانی تباہی کے تمام منظر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتے ہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"یوڈھا " ایسے سماج دُشمن عناصر کی کہانی ہے، جن کو جیل میں بھی تمام سہولتیں حاصل رہتی ہیں اور جیل اُن کے لئے گھر سے بھی زیادہ عیش و آرام کی جگہ بن جاتی ہے۔ ہندوستانی قانون کے رکھوالے اُن کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہوتے ہیں اور ان کی ہر فرمائش پوری کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ایک مبین کا یہ افسانہ موجودہ دَور کے انصاف اور قانون پر گہرا طنز ہے۔

"تریاق " ایسے نوجوان کی کہانی ہے، جو نشے کی لت میں اِتنا آگے بڑھ جاتا ہے کہ خود کو ناگ سے ڈسوانے لگتا ہے۔ ناگ کا زہر اُس کے لئے تریاق بن جاتا ہے۔یہ کہانی پڑھ کر بے ساختہ غالبؔ کا مصرع یاد آ جاتا ہے۔دِرد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا۔

"اذان " مذہبی جنون سے اُجڑتی ہُ ئی، مسجدوں اور انسانی نفسیات پر مبنی ایک ایسی کہانی ہے، جہاں سب کچھ ختم ہو جانے کے باوجود بھی اس کی بازگشت سُنائی دیتی ہے۔

"بے اماں "، " قاتلوں کے درمیان "، " دہشت کا ایک دِن " اور " مسیحائی " موجودہ دَور کے فسادات، ظلم اور بربریت کی زمین سے پیدا ہونے والی ایسی کہانیاں ہیں ، جو آج کے انسان کا مقدر بن چکی ہیں۔ہر کوئی ان کہانیوں کے کرداروں کی طرح زندگی گزارنے پر مجبور و بے بس ہے۔

"میزان " دھرم کے نام پر ادھرم کرنے والی سیاست کا بھانڈا پھوڑ ہے۔جس راستے پر اس وقت چل کر کئی جھوٹے مذہبی رہنما عیش و آرام کی زندگی گزار رہے ہیں۔

"قربتیں ، فاصلے " اور " سیمنٹ میں دفن آدمی " وہ افسانے ہیں ، جن میں مڈل ایسٹ جا کر جدوجہد کرنے والے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کرداروں کا کرب دِل کو چھو لینے والے انداز میں اُبھرتا ہے۔

"۳۰ بچوں کی ماں " بچوں کی دیکھ بھال کرنے والی ایک گریجویٹ نوجوان لڑکی کی کہانی ہے، جو شادی کے بغیر ہی تیس بچوں کو ماں کا پیار دیتی ہے اور بچے اسے اپنی ماں سے بھی زیادہ پیار کرتے ہیں۔یہ موضوع بھی اچھوتا ہے اور ایم۔مبین نے اِسے بڑی مہارت سے بیان کیا ہے۔

مندرجہ بالا تمام کہانیاں ایم۔مبین کے دُوسرے افسانوی مجموعے " نئی صدی کا عذاب " میں شامل ہیں۔جو کچھ نئی صدی کے حالات اور ماحول نے کہانی کار کو دیا ہے اسی کرب کو اُس نے اپنے افسانوں میں پیش کر دیا ہے۔

ایم۔مبین کی کہانیاں آئینے کی طرح صاف ہیں ، جن میں وَقت کی سچّائی کے عکس اُبھرتے دِکھائی دیتے ہیں۔یہ کہانی کار اپنے آس پاس بکھرے ہُوئے سماج کا بھرپور بیان اپنی

کہانیوں میں کر رہا ہے۔جنہیں پڑھ کر آئندہ نسلیں آسانی سے یہ جان پہچان سکیں گی کہ اُن کا سماج کن مرحلوں اور منزلوں سے گزرا ہے۔کہانی کو پھیلانے کا ہنر ایم۔مبین کو خوب آتا ہے۔لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ اِس پھیلاؤ میں وہ کہانی کو دہراتے نہیں ہیں بلکہ اسے دِلچسپ بناتے چلے جاتے ہیں۔اپنی کہانی میں وہ کسی ماہر گویے کی طرح کہیں بھی اور کسی بھی تان پر ختم کر سکتے ہیں۔کہانی کے اختتام کے لئے وہ نہ تو ڈرامائی انداز اپنانے کے قائل ہیں نہ ہی بناوٹ کے عادی۔بلکہ بڑی سادگی اور پُرکاری کے ساتھ سنجیدہ اور با شعور انسان کی طرح اپنی بات مکمل کر دیتے ہیں ، جس میں اُن کا بھرپور اعتماد شامل ہوتا ہے۔

ایک خاص بات ایم۔مبین کے افسانوں میں یہ دیکھنے میں آتی ہے کہ جس طرح آر۔کے۔نارائن نے اپنی کہانیوں میں ایک نیا شہر " مالگڈی ڈیز " تخلیق کیا تھا اور وہاں کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کرداروں پر اپنی کہانیوں کی بُنیاد رکھی تھی۔ایم۔مبین کی کہانیوں میں کوئی تصوّراتی شہر نہیں ہے بلکہ اُن کے سامنے ایک حقیقی شہر ممبئی ہے۔وہ ممبئی جس کے سرے تمام ہندوستان کے صُوبوں اور وہاں کے تہذیب و تمدن سے جڑے ہُوئے ہیں۔وہ ممبئی کے کردار جن کے مسائل امریکہ کے نیویارک، فرانس کے پیرس، برطانیہ کے لندن اور رُوس کے ماسکو جیسے شہروں میں رہنے بسنے والے کرداروں سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔اِس شہر میں قدم قدم پر کہانیاں بکھری پڑی ہیں۔ایم مبین اُنہی بکھری ہُئی کہانیوں کو سمیٹ کر کتاب کی شکل دے رہے ہیں۔یہی کام "بالزاک "، " دوستو وسکی " اور " ٹالسٹائی " نے کیا تھا۔ہندوستان کے کہانی کاروں میں " منٹو " نے کیا تھا۔اور اب مظہر سلیم اور ایم۔مبین بھی یہی کام کر رہے ہیں ، یہ اُردو افسانے کے روشن مستقبل کا زندہ ثبوت ہے۔

خدا تخلیقی قوت ہر کسی کو نہیں دیتا اور جسے بھی عطا کرتا ہے وہ اُس کے خاص بندوں میں شامل ہوتا ہے۔جب تک وہ اپنے فن کے ساتھ سچّائی اور ایمانداری کو فروغ دینا روا رکھتا ہے، خدا بھی اُس مہربان رہتا ہے اور اُسے ہر طرح سے نوازتا ہے۔کیونکہ عزت اور ذِلّت دینے والا تو وہی ہے اور وہ جس کسی سے بھی جو چاہتا ہے، وہ کام اُس سے کروا لیتا ہے۔لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر انسان خدا کی دی ہُئی اس تخلیقی صلاحیت کا صحیح استعمال کرنے سے بیگانہ رہا یا اپنے فرض کو بھول کر بھٹکنے لگتا ہے تو ... خدا اُس سے تخلیقی قوت چھین بھی لیتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہر تخلیق کار کو ہر دَور میں متحرک نہیں دیکھا گیا ہے۔لیکن جو ہر دَور میں متحرک رہتا ہے، اپنے فرض کو بخوبی انجام دیتا رہتا ہے، اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتا رہتا ہے، وہی اپنے عہد کا سچا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور اچھا تخلیق کار ہوتا ہے۔ادب میں اُسی کا مقام بھی بنتا ہے اور دُنیا اُسی کو یاد بھی کرتی ہے۔

ایم۔مبین گذشتہ بیس پچیّس برسوں سے مسلسل کہانیاں لکھ رہے ہیں اور رسائل میں بدستور شائع بھی ہو رہے ہیں۔اُن کی کہانیاں اپنے قارئین کے دِلوں کو چھوتی اور دماغوں کو جھنجھوڑتی بھی ہیں۔ہر کہانی کے بعد اُن کا تخلیقی سفر آگے اور آگے ہی بڑھتا رہا ہے۔اس وقت نئی نسل کے افسانہ نگاروں میں وہ اپنا ایک خاص مقام بنا چکے ہیں ، لیکن یہ اُن کی منزل نہیں ہے۔ویسے بھی تخلیق کار کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔اُس کی زندگی میں تو پڑاؤ آتے ہیں ، جہاں وہ کچھ دیر ٹھہرتا ہے، سوچتا ہے اور آگے بڑھ جاتا ہے۔اُس کی زندگی تو مسلسل سفر میں کٹتی ہے۔ایم۔مبین کی زندگی میں بھی فی الحال ایک پڑاؤ آیا ہے، جہاں اُنھیں کچھ دیر ٹھہرنا، سوچنا اور آگے بڑھ جانا ہے۔

ایم۔مبین کے افسانوں میں بے جا جھلّاہٹ، انتشار، کھوکھلا پن اور سطحیت بالکل نہیں ہے، بلکہ فکر و خیال کا ایک گہرا اور شانت سمندر ہے، جس کی تہہ میں تخلیق کے موتیوں کا لازوال اور بے مثال سرمایہ ہے۔ایم۔مبین ہمارے سنت کوی رویداسؔ اور تکا رامؔ کی طرح اپنے گیان دھیان کے دیپ جلا کر اندھیرے میں اُجالا کرنے والا ایک ایسا آدرش کہانی کار ہے جس کی باتوں کی کڑواہٹ میں بھی شہد گھلا ہُوا ہے۔اُس کے سرل سوبھاؤ میں ذہنی دباؤ نہیں ہے، بلکہ ایک ایسا تخلیقی رَچاؤ ہے جو کسی سنت یا بیراگی آتما کی ہی پیداوار کہا جاسکتا ہے۔

میں صاف طور پر اِس بات کا اعلان کر دینا چاہتا ہُوں کہ ایم۔مبین جدیدیت کے بعد آنے والے معنویت کے بسنت کا ایک سنت کہانی کار ہے، جس کے افسانوں کی بہار ہندوستانی سماج میں پھیلی ہُوئی دُرگندھ میں سُوگندھ بکھیر رہی ہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آج جب کہ ہمارے ملک میں تعصب، فرقہ پرستی، مار کاٹ اور انسانی قدروں کی پامالی کی آندھی زور و شور کے ساتھ چل رہی ہے، ایسے ماحول میں امن و انسانیت کے ٹھنڈے اور مدھر جھونکوں کی بہت ضرورت ہے اور اِس فرض کو ایم۔ مبین جیسے سیدھے، سرل، شانت اور گمبھیر سنت کہانی کار ہی ادا کر سکتے ہیں۔

ایک خاص بات ایم۔ مبین کے افسانوں میں یہ بھی ہے کہ اُن کے افسانے کسی ایک فرقے یا سماج کے دائرے میں قید نہیں ہیں ، بلکہ تمام ہندوستانیوں کے دِلوں کی دھڑکن سے جڑے ہُوئے ہیں۔اُن کے یہاں کسی طرح کا مذہبی تعصب نہیں ہے۔وہ جب ظلم کے خلاف بولتے یا انصاف کے لئے آواز بلند کرتے ہیں تو وہ آواز ایم۔ مبین کی نہیں ہوتی بلکہ ہندوستان کے ہر مظلوم کی آواز بن جاتی ہے۔وہ فساد پر لکھیں یا گینگ وار پر، پولس کے ظلم پر قلم اُٹھائیں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

یا غنڈہ گردی پر، کہیں بھی اُن کا قلم جذباتی نہیں ہو تا۔ اِس لئے میں ایم مبین کو سیکیولر اور سنجیدہ افسانہ نگار کہوں گا۔اُن کی یہ سنجیدگی کیا رنگ دِکھلائے گی یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا لیکن مجھے پوری اُمید ہے کہ افسانوں کی دُنیا میں ایم۔مبین گراں قدر اضافہ کریں گے۔افسانوں کی یہ کتاب " نئی صدی کا عذاب " ادبی حلقوں میں مقبول ہی نہیں ہو گی، بلکہ نئی نسل کے افسانہ نگار کا سنگِ میل بھی ثابت ہو گی۔میری تمام نیک خواہشات اور دُعائیں اُن کے ساتھ ہیں۔

انخلاء

رات کا کون سا پہر تھا اندازہ لگانا مشکل ہو گیا۔
فضا میں مسلسل دھماکے گونج رہے تھے اور اُن کی آوازوں سے کلیجہ پھٹا جا رہا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گھر کے تمام افراد جاگ گئے، اُن کے چہروں پر خوف رقصاں تھا۔وہ اپنے اندر ہی اندر خوف سے سمٹے جا رہے تھے۔

"لگتا ہے جنگ شروع ہو گئی۔"بابا دھیرے سے بڑبڑائے۔

"ہے رام، اِس جنگ کو بھی ابھی شروع ہونا تھا۔"

"سرحد تو ہمارے گاؤں سے کافی دُور ہے، لیکن یہاں تک دھماکوں کی آوازیں آ رہی ہیں۔کہیں ایسا تو نہیں دُشمن ہمارے ملک کی سرحد میں آگھسے ہوں۔"ماں نے کہا۔

"نہیں ، نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔"وہ جھٹ سے بولا۔"سرحد پر ہماری فوجیں تعینات ہیں۔وہ دُشمن کے ہر حملے کا منہ توڑ جواب دے گی۔دُشمن اگر اپنی ساری طاقت بھی لگا دے تو وہ ہمارے ملک کی ایک انچ زمین میں نہیں گھس سکتا۔ "

"بھگوان کرے ایسا ہی ہو۔جس رفتار سے گولا باری ہو رہی ہے ایسا لگ رہا ہے جیسے گھمسان کی جنگ جاری ہے۔ "

"دادا یہ جنگ کیا ہوتی ہے ؟ " اُس کے لڑکے نے بابا سے پوچھا۔

"بیٹے، جنگ بہت بری چیز ہوتی ہے۔یہ بوڑھی آنکھیں دو جنگ دیکھ چکی ہیں اور بھگوان سے دُعا ہے کہ تمہاری آنکھیں وہ نہ دیکھیں۔ "

رات بھر گولہ باری اور دھماکوں کی آوازیں گونجتی رہیں۔ان دھماکوں اور گولہ باری سے سارا گاؤں جاگ گیا تھا۔لیکن ہر فرد گھر میں دُبکا ہوا تھا۔کسی میں بھی گھر سے باہر آنے کی جرأت نہیں تھی۔

صبح ہوتے ہوتے سورج کی پہلی کرن کے ساتھ گولہ باری اور دھماکوں کی آوازیں بند ہو گئیں۔

لوگ اپنے اپنے گھروں سے باہر نکلے اور رات کے واقعات پر ایک دوسرے سے تبادلہ خیال کرنے لگے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"خاموشی کا مطلب ہے جنگ نہیں چھڑی، صرف دُشمنوں نے گولہ باری کی تھی اور ہماری فوجوں نے اُس کا منہ توڑ جواب دیا ہے۔ "

"اُف !لیکن کس قدر خوفناک گولہ باری ... ! ایسی تو جنگ کے زمانے میں بھی نہیں ہوتی تھی۔ "

"جنگ ہوئے عرصہ بیت گیا ہے اس درمیان بے شمار مہلک ہتھیار اور گولہ بارُود ایجاد ہو چکے ہیں۔پہلے جنگ میں ان معمولی چیزوں کا استعمال ہوتا تھا، اب ان مہلک ہتھیاروں کا استعمال ہوتا ہے۔ "

"بھگوان کی کرپا ہے، ہمارا گاؤں محفوظ ہے، گاؤں تک گولہ نہیں آیا۔"رات کی گولہ باری کا کیا اثر ہوا ابھی وہ اِس بارے میں پتہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے کہ کیا کیا نقصانات ہوئے ہیں ؟

اُنھیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔

تھوڑی دیر بعد خبریں آنی شروع ہو گئیں۔

ایک گولہ بھیکو کے کھیت میں آ کر پھٹا جس سے ساری فصل جل گئی۔ایک گولہ چھندو کے کھیت والی دیوار سے ٹکرایا، دیوار ڈھہ گئی اور مکان بھی گر گیا۔

ان باتوں سے سارے گاؤں میں اور زیادہ سراسیمگی پھیل گئی۔

ان لوگوں کے کھیت گاؤں سے زیادہ دُور نہیں تھے۔

"اگر گولے وہاں تک آ سکتے ہیں تو گاؤں تک بھی پہنچ سکتے ہیں اور ان گولوں کا گاؤں میں گرنے کا انجام ؟ "

اس کے تصور سے ہر کوئی کانپ اُٹھتا تھا۔

"حالات بہت خراب ہو گئے ہیں ، لگتا ہے اِس بار جنگ ہو کر ہی رہے گی۔"ہر کوئی تشویش آمیز لہجے میں کہہ رہا تھا۔

وہ فکر مند تو اُسی وقت ہو گئے تھے جب اُنھوں نے سامان،

www.iqbalkalmati.blogspot.com

فوجیوں اور گولہ بارود سے لدے ٹرکوں کو گاؤں سے گزر کر سرحد کی طرف جاتے دیکھا تھا۔

یوں تو سال بھر سرحد کی طرف فوجیوں اور فوجی ساز و سامان کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔سارا سامان، فوجی اور اُن کے ٹرک گاؤں سے ہی گزر کر سرحد کی طرف جاتے تھے۔لیکن اب مہینہ میں کبھی کبھی ہوتا تھا۔اِس وجہ سے وہ لوگ کبھی اِس بات کی طرف دھیان بھی نہیں دیتے تھے۔لیکن گذشتہ چند مہینوں سے فوج اور فوجی ساز و سامان کی نقل و حرکت کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی تھی۔اس کی وجہ اُنھوں نے جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔ہر کوئی اس کی وجہ جانتا تھا۔کیونکہ گاؤں میں بیشتر افراد کے گھروں میں ٹی وی تھے اور کئی اخبارات گاؤں میں آتے تھے۔

ہر اخبار روزانہ دونوں ملکوں کے درمیان تناؤ کی خبریں اپنے ساتھ لاتا تھا تو ہر ٹی وی چینل تناؤ کی چھوٹی سے چھوٹی خبر کو اہم بنا کر اپنے انداز میں پیش کرتا تھا۔

ملک کے ہر فرد کے ذہن میں یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ سرحد پر سخت تناؤ ہے اور اس تناؤ کی وجہ سے کبھی بھی جنگ چھڑ سکتی ہے۔

اور ان کا گاؤں تو ایک سرحدی گاؤں تھا۔

سرحد اُن کے گاؤں سے کچھ کلومیٹر کے فاصلے پر تھی اور سرحد کی طرف فوجیوں اور فوجی ساز و سامان کے جانے کا مطلب بھی وہ سمجھتے تھے۔سرحدوں پر تناؤ ہے۔سرحد پر کہیں بھی جنگ چھڑ سکتی ہے اور اس جنگ کے چھڑنے سے ساری سرحدیں سُلگ سکتی تھیں۔اگر سرحدیں سُلگ اُٹھیں تو اُن کے شعلوں سے اُن کا گاؤں بھی محفوظ نہیں رہے گا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دو تین گھنٹوں بعد ٹی وی چینلوں سے بھی خبریں آ رہی تھیں ، جن سے گاؤں والے ناواقف تھے

خبروں سے پتہ چلا کہ رات دشمن کے فوجیوں نے گولہ باری کی جس کا ملک کی فوجوں نے منہ توڑ جواب دیا۔اِس گولہ باری میں دُشمن کے ۱۵ فوجی مارے گئے، ۱۰ بنکر تباہ کر دئے گئے، دُشمن کی گولہ باری سے گاؤں متاثر ہوا، بارُودی گولے گاؤں کے درمیان آ کر پھٹے، جس میں چار شہری مارے گئے اور ۱۵ کے قریب زخمی ہوئے اس کے علاوہ کئی مکانوں کو نقصان پہونچا۔دُشمن ملک کی اِس بلاوجہ اشتعال انگیز گولہ باری کے خلاف وزیر دفاع نے سخت احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ اس کا منہ توڑ جواب دیا جائے گا

ٹی وی چینلوں پر ان خبروں کو دیکھ کر وہ حیران رہ گئے۔

"ہمارے گاؤں میں تو ایسا کچھ بھی نہیں ہوا ہے نہ کوئی گولہ پھٹا نہ کوئی زخمی ہوا نہ مرا، پھر یہ خبریں ؟ "

"ارے یہ ہمارے گاؤں کی نہیں کسی اور گاؤں کی خبریں ہیں۔ "

"لیکن خبروں میں تو ہمارے گاؤں کا نام لیا جا رہا ہے۔ "

"اتنی بڑی سرحد ہے، ممکن ہے ہمارے گاؤں کے نام والا کوئی اور گاؤں سرحد پر ہو گا اور وہاں یہ واقعہ ہوا ہو۔ "

"لیکن رات میں گولہ باری تو ہمارے گاؤں پر ہی ہوئی تھی ؟ "

"ممکن ہے اُس گاؤں میں بھی ہوئی ہو۔ "

وہ خبروں پر اِس طرح کے تبصرے کرتے رہے لیکن اُن کی تہہ تک نہیں پہونچ سکے۔

ابھی دوپہر بھی نہیں ہوئی تھی کہ پورے گاؤں کو آ کر ملٹری نے گھیر لیا۔

"گاؤں والوں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ کل رات دُشمن نے گاؤں کی سرحد پر سخت گولہ باری کی تھی، جس کا ہماری

www.iqbalkalmati.blogspot.com

فوجوں نے منہ توڑ جواب دیا۔لیکن دُشمن کے ارادے نیک دِکھائی نہیں دیتے ہیں۔ ممکن ہے وہ آج رات یا بعد میں نہ صرف دوبارہ گولہ باری کرے، بلکہ حملہ بھی کر دے۔جنگ کبھی بھی چھڑ سکتی ہے۔ایسی صورت میں گاؤں والوں کی جانوں کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔اِس لئے گاؤں والے فوراً ایک گھنٹے کے اندر اندر گاؤں خالی کر دیں اور محفوظ مقامات پر چلے جائیں۔وہ کے محفوظ مقامات سرحد سے کم سے کم دو ڈھائی سو کلومیٹر دُور ہیں۔اگر اُنھوں نے گاؤں خالی نہیں کیا تو ملٹری زبردستی اُن سے گاؤں خالی کرائے گی اور حکم عدولی کرنے والوں کے ساتھ سختی سے نپٹے گی۔اِس لئے اِس اعلان کو سنتے ہی گاؤں والے گاؤں خالی کرنے کی تیّاریوں میں لگ جائیں اور فوراً عمل در آمد کریں۔"

"کیا ... ! ہم گاؤں خالی کر دیں ،؟گاؤں خالی کر کے ہم کہاں جائیں ؟"

اعلان سُن کر ہر کوئی سکتے میں آگیا۔ہر کوئی احتجاج کرنا چاہتا تھا۔

"ہم گاؤں چھوڑ کر کہاں جائیں ، ہمارا گھر بار، ہمارے کھیت ہیں ، کھیتوں میں فصل تیار ہے، یہ فصل ہمارا سال بھر کا سہارا ہے، اگر ہم ان تیار فصلوں کو چھوڑ کر چلے گئے تو سال بھر ہمارا گزر بسر کس طرح سے ہو گا ؟"

لیکن کوئی بھی اُن کا احتجاج سننے والا نہیں تھا۔

بندوق کی سنگینوں کے زور پر اُنھیں گاؤں چھوڑنے کے لئے مجبور کیا گیا تھا۔

اپنے گھروں سے ضروری سامان جمع کرنے اور لینے کے لئے اُنھیں دس پندرہ منٹوں کی بھی مہلت نہیں دی گئی۔اِن دس پندرہ منٹوں میں وہ جو کچھ جمع کر سکتے تھے اُنھوں نے جمع کیا اور گاؤں چھوڑ کر انجان منزل کی طرف چل پڑے۔ایک گھنٹے کے اندر پورا گاؤں خالی ہو گیا تھا۔گاؤں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں ایک بھی آدمی نہیں رہا تھا۔صرف ملٹری کے جوان تھے، جنھوں نے سارے گاؤں کو گھیر رکھا تھا۔

کچے راستوں سے ہو کر گاؤں کے ۵۰۰ سے زائد افراد انجان منزل کی طرف بڑھے جا رہے تھے۔ان میں زیادہ تر لوگ پیدل تھے۔اُنھوں نے اپنا ضروری اسباب،سامان اپنے سروں اور کاندھوں پر لاد رکھا تھا۔کچھ لوگوں نے اپنے جانور بھی ساتھ لئے تھے، سامان اُن جانوروں پر بھی لدا تھا۔

جن لوگوں کے پاس بیل گاڑیاں تھیں اُن کا سامان اور گھر کے افراد اُن بیل گاڑیوں پرسوار تھے، پیدل چلنے والے اور بیل گاڑیوں کی رفتار مساوی تھی، پورا گاؤں ساتھ چل رہا تھا۔ کوئی بھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونا چاہتا تھا۔

رات ہوئی تو اُنھوں نے ایک جگہ ڈیرہ ڈالنے کا سوچا۔

"نہیں ..... ! " جو فوجی اُن کے ساتھ ساتھ گاؤں سے آ رہے تھے وہ گرجے۔

"ابھی ہم گاؤں سے صرف ۱۲۰ کلومیٹر دُور آئے ہیں ، یہ جگہ بھی محفوظ نہیں ہے، یہاں بھی خطرہ ہے، جنگ کی صورت میں دُشمن کی فوجیں یہاں تک پہونچ سکتی ہیں۔یہ جگہ اُن کی توپوں کی مار کی زد میں ہے، یہاں پر بھی آپ لوگوں کی زندگیاں محفوظ نہیں ہیں ، یہاں نہ رُکا جائے آگے بڑھا جائے۔"فوجیوں کی حکم عدولی وہ بھلا کس طرح کر سکتے تھے، اندھیرے میں بھوکے پیاسے چل پڑے۔کسی نے نہ ایک دانہ کھایا تھا نہ ایک گلاس پانی پیا تھا۔بچے بھوک پیاس سے بلبلا رہے تھے۔مائیں اُنھیں تھپک، تھپک کر سُلانے کی کوشش کر رہی تھیں۔باپ اور دُوسرے رشتہ دار سوئے ہوئے بچوں کو اپنی گود یا کاندھوں پر اُٹھائے ہوئے تھے۔

چاروں طرف تاریکی اور ہُو کا عالم تھا۔صرف فوجی گاڑی کی سرچ لائٹ تھی جس کی تیز روشنی میں وہ راستہ تلاش کر کے آگے بڑھ رہے تھے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پَو پھٹنے پر وہ کوئی گاؤں کے قریب پہونچے۔

"آپ لوگ اب محفوظ علاقے میں آ گئے ہیں۔آپ لوگ یہاں رُک سکتے ہیں۔"فوجیوں نے کہا اور وہ واپس چلے گئے۔گاؤں کے قریب ایک بڑا سا میدان تھا۔اُس میدان میں جس کو جہاں جگہ ملی اُس نے اُس جگہ قبضہ کر کے اپنا ڈیرا جما دیا۔گاؤں والے بھی آئے اُنھوں نے اُن کو گھیر لیا اور طرح طرح کے سوالات کرنے لگے۔

"آپ لوگ کہاں سے آئے، کیا جنگ چھڑ چکی ہے، آپ کے گاؤں کو کتنا نقصان پہونچا ؟ " وہ اپنے طور پر جواب دیتے۔رات بھر سفر کرنے کی وجہ سے وہ تھکن سے چُور تھے۔کتنے تو زمین پر گرے اور گرتے ہی سو گئے۔

جن لوگوں کو بھوک پیاس ستا رہی تھی وہ گاؤں سے ساتھ لایا ہوا کھانے پینے کے سامان میں پیٹ بھرنے کے لائق کوئی چیز تلاش کرنے لگے۔

سورج کے چڑھنے کے ساتھ اُس کی تمازت بھی تیز ہونے لگی تھی۔اُس کی گرمی جسم میں سوئیاں چبھونے لگی تھی اور جسم سے پسینے کی نہریں اُبلنے لگی تھیں۔

آس پاس کوئی سایہ دار پیڑ بھی نہیں تھا جس کے سائے تلے پہونچ کر سورج کی تمازت سے نجات حاصل کر سکتے۔جو اِکّے دُکّے پیڑ تھے خار دار پیڑ،جن کا سایہ نہیں ہوتا ہے۔

دھوپ سے بچنے کے لئے لکڑیوں کے سہارے کپڑوں کے سائبان تیار کئے جا رہے تھے۔دِن سورج کی تمازت میں جھلستے ہوئے گزرا، رات آئے تو برفیلی ہوائیں چلنے لگیں۔

بند کمروں میں سردی اور برفیلی ہواؤں کا احساس کم ہوتا ہو گا لیکن کھلے میدان میں وہ سرد ہوائیں جسم میں سوئیاں چبھونے لگیں۔ناکافی بستر اور کپڑوں کے درمیان دُبک کر گھر کے کچھ افراد سونے کی ناکام کوشش کرنے لگے تو کچھ لوگ جاگ کر آس پاس سے سوکھی لکڑیاں اور پتے جمع

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کر کے اَلاؤ جلا کر تاپنے اور آگ تاپ کر رات گزارنے کی کوشش لگے۔

سویرے ایک نئی آفت منتظر تھی۔

گاؤں والوں نے اپنے کنوؤں سے پانی لینے پر پابندی لگا دی تھی۔

"ہمارے کنوؤں میں پانی بہت کم ہے بڑی مشکل سے اِس پانی میں سال گزرتا ہے اتنے لوگ ان کنوؤں سے پانی لیں گے تو سارا پانی ختم ہو جائے گا اور ہمیں پیاسا رہنا پڑے گا۔ "

اِس بات پر تنازعہ بڑھا اور جھگڑے کی نوبت آ گئی۔

فوجی تو اُنھیں وہاں چھوڑ کر چلے گئے۔اُس کے بعد کچھ سرکاری افسر آئے جنھوں نے اُن کی تعداد وغیرہ کے بارے میں معلومات کی، پھر کچھ ٹی وی والے بھی آئے جو

اپنے طور پر اُن کی تصویریں لے کر اور کچھ سوالات پوچھ کر چلے گئے۔

اُن کے پاس نہ تو کچھ کھانے کے لئے تھا اور نہ پینے کے لئے۔

پیسے بھی نہیں تھے جس سے کھانے پینے کی اشیاء خرید سکے۔

وہ کام کرنا چاہتے تھے تاکہ جو پیسے ملیں اُن سے اپنی ضروریاتِ زندگی کی چیزیں خرید سکیں۔

لیکن اُس گاؤں کے لوگوں کو مشکل سے کام مل پاتا تھا تو بھلا اتنے لوگوں کو کام کس طرح مل سکتا تھا؟

اِن مصیبتوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے اُنھوں نے واپس جانے کی ٹھانی لیکن گاؤں جانے کا راستہ بند ہو چکا تھا۔

راستے میں ایک فوجی چوکی بن گئی تھی اُس کے آگے جانے کی کسی کو بھی اجازت نہیں تھی۔پتہ چلا کہ اُن کا پورا گاؤں ایک فوجی کیمپ بن چکا ہے اور پورے گاؤں میں بارُودی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سُرنگیں بچھائی جا رہی ہیں ، تاکہ اگر دُشمن اِس طرف آ جائے تو اُسے سبق سکھایا جاسکے۔

سرحدوں پر بدستور تناؤ تھا۔

فوجوں کی نقل و حرکت اور گولہ باری بڑھتی جا رہی تھی۔ہر لمحہ لگتا تھا جنگ شروع ہو جائے گی لیکن جنگ شروع نہیں ہو رہی تھی۔

بھوکے پیاسے مصیبتوں میں گھرے وہ میدان میں پڑے تھے۔

سرکاری آفسر آئے تو وہ سب اُس پر برس پڑے۔

"ہمیں ہمارے گاؤں سے نکال کر یہاں لا کر ڈال دیا گیا ہے۔ہمارے پاس نہ کھانے کے لئے اناج ہے نہ پینے کے لئے پانی نہ پہننے کے لئے کپڑے ہیں اور نہ دوائیں ،سرکار نے گاؤں سے ہمارا انخلاء کرایا ہے تو وہ ہماری خبر کیوں نہیں لیتی ؟۔ہمیں بے یار و مدد گار یہاں لا کر چھوڑ دیا

ہے۔ہم پانی کی ایک ایک بوند اور اناج کے ایک ایک دانے کے لئے ترس رہے ہیں۔ہمارے کھانے پینے کا انتظام کیوں نہیں کیا جاتا ؟۔ "

"صرف تم لوگ اِس عذاب میں گرفتار نہیں ہو، جنگ کے خوف سے سیکڑوں گاؤں کا انخلاء کیا گیا ہے۔ہم لوگ اُن سب کی رپورٹ تیار کر رہے ہیں ایک مہینے کے اندر سرکار کو رپورٹ پیش کر دیں گے۔اُس کے بعد شاید سرکار آپ لوگوں کی مدد کے لئے کوئی قدم اُٹھائے۔"

"تو گویا ایک ماہ تک ہم بھوکے پیاسے یہاں رہیں گے ....؟! .

ہمیں ایسی بے بسی کی موت مرنے کے لئے یہاں لا کر چھوڑا گیا ہے ؟ اِس سے تو بہتر تھا کہ ہم دُشمن کی فوج کی گولہ باری کا شکار ہو کر مر جاتے۔ "

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وراثت

ردّی والا اُن ساری کتابوں کو تول کر تھیلے میں بھر رہا تھا جو اُنھوں نے گذشتہ تیس چالیس سالوں میں جمع کر رکھی تھیں اور وہ حسرت سے اُن کتابوں کو ردّی والے کے تھیلوں میں گم ہوتے دیکھ رہے تھے۔

ردّی والا جب بھی کوئی کتاب اپنے ترازو میں رکھتا،اُس کتاب کے سر ورق پر نظر پڑتے ہی اُس سے وابستہ ایک کہانی ذہن میں اُبھر آتی۔

یہ کتاب اُنھوں نے دہلی سے منگوائی تھی۔

اِس کتاب کو انھوں نے کلکتہ سے خریدا تھا۔

یہ کتاب مصنف نے خود اُنھیں تحفہ کے طور پر دی تھی۔

یہ کتاب اُنھیں انعام میں ملی تھی۔

یہ کتاب اُنھوں نے ایک لائبریری سے چرائی تھی۔کیونکہ یہ نایاب تھی لیکن اِس کتاب سے اُن کے علاوہ کوئی بھی فیض

حاصل نہیں کر سکتا تھا۔یہ لائبریری میں پڑی دھول کھا رہی تھی۔اُنھیں لگا وہی اِس کتاب کو اپنے پاس رکھ کر اس کا بہتر استعمال کر سکتے ہیں۔اس لئے اِس کتاب کو چرانا بھی کوئی گناہ محسوس نہیں ہوا تھا۔ان کتابوں میں اُن کی اپنی لکھی ہوئی کتابیں بھی تھیں ،کچھ اچھی حالت میں کچھ خراب حالت میں۔شاید وہ آخری جلدیں تھیں لیکن پھر بھی اِنہیں ردّی میں فروخت کرتے ہوئے اُنھیں کوئی دُکھ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

اُنھوں نے اپنے دِل پہ جیسے ایک پتھر رکھ دیا تھا۔

گذشتہ تیس چالیس سالوں میں اُنھوں نے جتنا پیار، محبت اُن کتابوں کو دیا تھا، ایک لحظہ میں سب ختم کر لی تھیں۔

کبھی گھر کا کوئی فرد کسی کتاب کو غلط جگہ پر رکھ دیتا تھا تو وہ بھڑک اُٹھتے تھے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اگر کسی سے کتاب کا کوئی ورق پھٹ جاتا تو اُس کی تو شامت ہی آ جاتی تھی۔

گھر میں اکثر اُن کی کتابوں اور کاغذات کو اِدھر اُدھر رکھنے پر تنازعہ پیدا ہوتا رہتا تھا۔

لیکن آج اُنھیں اُن ساری کتابوں کو گھر سے وداع کرنا پڑ رہا تھا۔

کتابوں کے ساتھ کاغذات کا ایک ڈھیر بھی ردّی والے کے تھیلوں میں جا رہا تھا۔وہ کاغذات اُن کی ادھوری کہانیاں ، نوٹس وغیرہ تھے۔کسی کتاب کو پڑھ کر اُنھوں نے جو نوٹس لکھے تھے یا پھر کسی افسانے کو لکھنے سے پہلے جو خاکے تیّار کئے تھے۔

اس کے علاوہ اخبارات اور رسائل کی کٹنگ کا ایک ڈھیر تھا۔

اِس ڈھیر میں اُن کے مضامین بھی تھے اور کچھ یادگار اور کارآمد مضامین بھی جن کے تراشے اُنھوں نے برسوں سے سنبھال کر رکھے تھے۔

اُن کی نظر میں اِن تراشوں کی حیثیت بہت کارآمد تھی۔

لیکن شاید دُنیا کی نظر میں بیکار ردّی کے ٹکڑے۔

کچھ مشہور ادبی رسائل کے گذشتہ دس پندرہ سالوں کے تمام شمارے جو شاید اہلِ ذوق کے لئے قیمتی ہوں ، لیکن اب وہ ردّی کے مول بک رہے تھے۔

وہ کُرسی پر بیٹھے ردّی والے کو اُن چیزوں کو تولتا دیکھ رہے تھے۔وقفہ وقفہ سے بہو اور بیٹا آ کر ایک اُچٹتی سی نظر اِس کاروائی پر ڈال جاتے تھے۔

وہ بار بار یہ دیکھنے کے لئے آتے تھے کہ کون سی چیزیں فروخت ہو رہی ہیں اور کون کون سی باقی ہیں۔

بڑی سی کتابوں کی الماری کی کتنی جگہ خالی ہو رہی ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اُنھوں نے بھی دِل پر پتھر رکھ لیا تھا اور طے کر لیا تھا کہ آج وہ اپنا کاغذ کا آخری پرزہ بھی بیچ دیں گے اور روزانہ کے ذہنی تناؤ اور اُٹھ کھڑے ہونے والے تنازعات سے ہمیشہ کے لئے نجات پالیں گے۔

اُنھیں پورا یقین تھا۔

گھر کا کوئی بھی فرد آ کر اُنھیں ایسا کرنے سے نہیں روکے گا۔

"ابا،یہ ساری چیزیں آپ نے گذشتہ تیس چالیس سالوں میں جمع کی تھیں۔اِتنے سالوں سے انہیں سنبھال کر رکھا۔اپنی جان سے زیادہ اِن کی حفاظت کی، پھر آج یہ سب کیوں فروخت کر رہے ہیں ؟

یا پھر کسی چیز کو فروخت کرنے سے روکے۔

"آپ اِسے کیوں فروخت کر رہے ہیں ؟ اِسے تو آپ اپنی زندگی کا انمول سرمایہ مانتے تھے۔ "

اُنھیں یقین تھا کہ گھر کے افراد تو اِس سے خوش ہو رہے ہوں گے، گھر میں بہت بڑی جگہ خالی ہو رہی ہے۔اب اِس جگہ وہ اپنی پسند کی کوئی آرائش کی چیز رکھ سکیں گے۔

اُنھوں نے خطوط کا بڑا سا بکس بھی نکال رکھا تھا۔ان خطوط کے بارے میں بھی اُنھوں نے ردّی والے سے پوچھا تھا۔

"نہیں صاحب ! یہ تو میرے کسی کام کے نہیں ہیں۔اِس بوجھ کو میں یہاں سے لے جا کر کیا کروں گا ؟ "

ردّی والے کا جواب سُن کر اُنھوں نے اُسے بھی ٹھکانے لگانے کا راستہ سوچ لیا تھا۔

آج وہ اُن تمام خطوط کو جلا دیں گے۔

وہ ملک کے مشہور عالم اور مشاہیر کے خطوط تھے۔گذشتہ تیس چالیس سالوں میں اُنھوں نے ملک کے جن ادیب، دانش وروں سے خط و کتابت کی تھیں اور جو خطوط اُن کی نظر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں تاریخی اہمیت کے حامل تھے، اُنھوں نے اُنھیں بڑے جتن سے سنبھال کر رکھا تھا۔

لیکن جب اُن کے بعد اِن چیزوں کا کوئی قدر دان اور اُنھیں سنبھال کر رکھنے والا ہی نہیں ہو گا تو پھر اِنہیں گھر میں رکھ کر کیا فائدہ، گھر والوں کی نظر میں تو وہ کوڑا کرکٹ ہی ہے۔

اِس لئے وہ اُن تمام خطوط کو جلا کر اہلِ خانہ کو کوڑے کرکٹ سے نجات دلا دیں گے۔

اُنھوں نے یہ بھی طے کر لیا تھا کہ اب وہ اپنے پسند کا کوئی بھی اخبار، رسالہ یا کتاب گھر نہیں لائیں گے۔

وہ جانتے تھے کہ اُن کے اِن اقدامات سے گھر والوں کو بے حد خوشی ہو گی۔

آج جو وہ قدم اُٹھا رہے تھے، اُس سے وہ گھر والوں کے چہروں پر خوشی کے تاثرات بھی دیکھ رہے تھے۔

گھر والوں کی خوشی میں ہی اُن کی خوشی تھی۔

آخر وہ زندگی بھر گھر والوں کی خوشیوں کے لئے ہی تو سب کچھ کرتے رہے تھے۔

زندگی بھر اُنھوں نے اِن سب کا خیال رکھا تھا۔

ہمیشہ یہ کوشش کی کہ انہیں کسی بات کی کمی نہ ہو۔اِس کمی کو پورا کرنے کے لئے وہ بارش، دھوپ، سردی، گرمی میں جدوجہد کرتے رہے۔

اب جب آخری عمر میں اُنھوں نے ساری خوشیاں اپنے گھر والوں کے دامن میں ڈال دی ہیں تو اِن کی آخری چھوٹی سی خوشی کیوں نہ پوری کریں ؟

ڈرائنگ روم میں رکھی ان کی بڑی سی کتابوں کی الماری اور اُس الماری میں آویزاں پرانی بوسیدہ کتابوں سے اتنے اچھے سجے سجائے ڈرائنگ روم کا شو خراب ہوتا ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گھر والوں کے جو بھی ملنے والے گھر آتے ہیں ، ناگواری سے اُس الماری کی طرف دیکھتے ہیں ، اُس الماری کا مذاق اُڑاتے ہیں اور اُنھیں اُن کی وجہ سے خفّت اُٹھانی پڑتی ہے۔

مجبوری یہ ہے کہ اتنے بڑے گھر میں ان کتابوں کو رکھنے کے لئے کوئی اور جگہ نہیں ہے اور ان کا خیال ہے کہ کتابیں ڈرائنگ روم کی زینت ہوتی ہیں۔اُنھیں دیکھ کر ہی آنے والا صاحبِ خانہ کی علم دانی، اُس کے رُتبے کا اندازہ لگا لیتا ہے۔اِس لئے کتابیں ڈرائنگ روم میں ہی رکھی ہونی چاہیے۔

انہی سوچوں کا ٹکراؤ آئے دِن گھر کا سکون غارت کئے رہتا تھا۔

اپنی کوئی کتاب یا رسالہ نہ ملنے پر وہ چراغ پا ہوتے تھے۔ پہلے اُن کے غصے سے ہر کوئی ڈر جاتا تھا۔

لیکن اب اُن کے غصے سے کوئی بھی نہیں ڈرتا، اُن سے اُلجھ جاتا ہے اور اُنھیں باتیں سنانے لگتا ہے۔

"اپنے کوڑے کرکٹ کی خود ہی حفاظت کیا کریں۔ہمیں اِن میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔سارا کوڑا کرکٹ جمع کر کے اِتنے اچھے ڈرائنگ روم کے شو کو خراب کر رکھا ہے۔ "

یہ سُن کر اُن کے دِل کو ایک ٹھیس لگتی تھی۔

گویا اُن کا خواب اب گھر والوں کی نظر میں کوڑا کرکٹ ہے۔

برسوں تک اُنھوں نے ایک خواب دیکھا تھا۔

اُن کا ایک بڑا اچھا سا گھر ہو۔جس میں ایک بڑا سا سجا سجایا ڈرائنگ روم ہو۔اُس ڈرائنگ روم میں اُن کی ایک بڑی سی الماری ہو۔جس میں اُن کی ساری کتابیں اور سارا علمی سرمایہ سجا ہو۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تاکہ ہر آنے والے پر آشکار ہو، اُنھوں نے کیا کیا سرمایہ اور خزینہ جمع کر رکھا ہے اور اسے اُن کے خزینے پر رشک ہو۔

ساری زندگی ایک چال کے ایک چھوٹے سے کمرے میں کٹی تھی جس کے ایک کونے میں اُن کی کتابوں کا ڈھیر بے ترتیبی سے پڑا رہتا تھا۔وہ ڈھیر بڑھتا بھی تو کسی کو محسوس نہیں ہوتا تھا۔وہ اپنی ضرورت کی چیز اِس ڈھیر سے بخوبی ڈھونڈ کر نکال لیتے تھے۔اور غیر ضروری چیز کو اُس ڈھیر میں شامل کر دیتے تھے۔

اُن کے چھوٹے سے ٹیبل پر صرف تازہ کتابیں ، رسائل اور لکھنے کا سامان ہوا کرتا تھا، تب وہ خواب دیکھا کرتے تھے۔ کبھی نہ کبھی تو اُن کی زندگی میں ایسا وقت آئے گا جب اِن کتابوں کا یہ ڈھیر اُن کے ڈرائنگ روم میں سلیقے اور قرینے سے سجا ہو گا۔

وہ وقت بھی آیا تو ریٹائرمنٹ کے بعد۔

مضافات میں ایک اچھے فلیٹ کا سودا ہو گیا۔ریٹائرمنٹ کے بعد جو گریجویٹی، پی ایف ملنے والا تھا اور پرانے کمرے کی جو قیمت آ رہی تھی، اُن روپیوں سے ایک اچھا فلیٹ مل گیا۔

تب اُنھیں لگا، اُن کے برسوں کے خواب کی تعبیر کا وقت آگیا۔

اُس گھر کو ہر کسی نے اپنی پسند کے مطابق سنوارا تھا۔ بیٹے بہو نے اپنے انداز میں اپنا کمرہ سجایا تھا۔بیٹی اور چھوٹے بیٹے نے بھی اس گھر میں خوب صورت رنگ بھرے تھے۔

اُنھوں نے ڈرائنگ روم میں اپنے اور اپنی کتابوں کے لئے ایک بڑی سی الماری بنائی تھی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اُن کا تو اور بھی ایک خواب تھا، اُن کا اپنا ایک کمرہ ہو، جہاں بیٹھ کر وہ لکھنے پڑھنے کا کام کر سکیں۔ لیکن جتنا پیسہ اُن کے پاس تھا، اُس میں یہ ممکن نہیں تھا۔اِس لئے اُنھوں نے اپنے لئے ڈرائنگ روم کو ہی پسند کیا۔

جب اس فلیٹ کا کام چل رہا تھا تو انھیں فاطمہ کی بہت یاد آتی تھی۔اس طرح کے خوب صورت گھر کا خواب اُن کے ساتھ فاطمہ نے بھی دیکھا تھا اور پھر زندگی بھر اُس نے اس خواب کی تعبیر کی جدوجہد میں ہاتھ بٹایا تھا۔

لیکن اُن کا یہ خواب پورا نہیں ہوسکا۔

آخر اُن کے ریٹائرمنٹ سے ایک سال قبل اُس نے اُن کا ساتھ چھوڑ دیا۔وہ بیماری اُس کے لئے جان لیوا ثابت ہوئی تھی جو اُس نے اُن سے زندگی بھر چھپائے رکھی تھی۔

فاطمہ کی موت کے بعد وہ بہت اکیلے ہو گئے تھے۔

اِس اکیلے پن کو اُنھوں نے ادب کے ذریعہ دُور کرنے کی کوشش کی تھی۔اِس دوران اُنھوں نے اِتنا لکھا اور اِتنا اچھا لکھا جو وہ برسوں میں نہیں لکھ پائے تھے۔

ویسے بھی ادب اُن کے لئے اُن کی زندگی اور رُوح تھی۔

اُنھوں نے زندگی میں صرف تین باتوں پر توجہ دی تھی۔ اپنی نوکری، گھر اور ادب۔اُن کی زندگی اُنہی کے گرد گردش کرتی تھی۔ڈیوٹی پر جاتے، ڈیوٹی سے آ کر گھر، بیوی بچوں پر توجہ دیتے، پھر مطالعہ یا لکھنے میں غرق ہو جاتے۔

وہ آخری عمر تک اپنے بیوی بچوں کو ایک اچھا گھر تو نہیں دے سکے لیکن اُنھوں نے اپنے بچوں کو اچھی تعلیم دی تھی اور اُنھیں کبھی کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی تھی۔

دونوں لڑکے برسرِروزگار ہو گئے تھے۔بڑے کی شادی بھی ہو گئی تھی، بہو بھی گھر آ گئی تھی، چھوٹے کی ایک اچھے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

خاندان میں بات پکی ہوئی تھی۔لڑکی کالج کے آخری سال میں تھی، بس ایک ہی فکر باقی تھی، اُس کے رشتے کی۔

اُس گھر کو لینے میں اُنھوں نے اپنی زندگی کی ساری کمائی صرف کر دی تھی، لیکن پھر بھی اُنھیں اعتماد تھا۔اگر لڑکی کے لئے کوئی اچھا سا رشتہ آ جائے تو وہ اُس کی شادی فوراً کر سکتے ہیں۔فاطمہ نے بچپن سے لڑکی کے لئے جہیز جمع کر رکھا تھا۔

لیکن نیا گھر جیسے اُن کو راس نہیں آسکا۔

وہاں آنے کے بعد وہ اپنے تمام ادبی غیر ادبی دوستوں سے ٹوٹ گئے تھے۔شاید ہی کوئی دوست اُن سے ملنے کے لئے اُن کے گھر آ پاتا تھا۔بھلا اُن سے ملنے کے لئے اِتنی دُور مضافات کے اِس علاقے میں کون جاتا ؟

اُنھیں ہی اپنے دوستوں سے ملنے اور اپنے ذوق کی آبیاری کرنے کے لئے پرانی جگہ جانا پڑتا تھا۔

ورنہ اکیلے ہی گھر میں رہنا پڑتا تھا۔

دونوں لڑکے تو سویرے ہی اپنے آفس چلے جاتے تھے۔لڑکی کالج چلی جاتی تھی۔گھر میں اکیلی بہو اور وہ رہتے تھے۔بہو بھی کبھی سامان لینے جب بازار جاتی تھی تو دو دو، تین تین گھنٹہ واپس نہیں آتی تھی۔

ایسے میں اُنھیں اکیلے گھر میں کوفت ہوتی تھی۔اُن کی دیرینہ رفیق کتابیں بھی اُن کا دِل نہیں بہلا پاتی تھیں اور کوشش کرنے کے باوجود وہ ایک لفظ بھی نہیں لکھ پاتے تھے۔اپنی حالت کو دیکھ کر اُنھیں محسوس ہونے لگا کہ جیسے اُنھوں نے جو کچھ سوچ رکھا تھا یا جو خواب دیکھے تھے وہ خواب ہی تھے۔

ابھی وہ اِس سے اُبھر بھی نہیں پائے تھے کہ نئے تنازعات اُٹھ کھڑے ہوئے،

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گھر کے ہر فرد کو ڈرائنگ روم میں رکھی اُن کی کتابوں کی الماری پر اعتراض تھا۔اُن کا کہنا تھا یہ ڈرائنگ روم کا شو خراب کر رہی ہیں۔پہلے اگر وہ بیٹوں سے تھوڑی اونچی آواز میں بات کرتے تھے تو ڈر سے بچے کانپنے لگتے تھے اور اُن کی ہر بات پر سر تسلیم خم کر دیتے تھے۔

لیکن جب سے وہ کمانے لگے تھے، اُنھیں یہ محسوس ہوا بچے بھی نہ صرف اونچی آواز میں بولنے لگے ہیں بلکہ اُن کی آواز کو دبانے کی کوشش کر کے اُن پر اپنی مرضی لادنے لگے ہیں۔

سب کا یہی کہنا تھا یہ کتابیں وغیرہ بے کار ہیں۔اِنھیں ڈرائنگ روم سے ہٹا دیا جائے۔پرانے گھر میں ایک کونے میں پڑی رہتی تھیں تو کسی کا اُس پر دھیان نہیں جاتا تھا لیکن اب یہ آنکھوں میں جیسے چبھنے لگی ہیں۔روز روز کے

تنازعات اور جھگڑوں سے تنگ آ کر ایک دِن اُنھوں نے سنجیدگی سے سوچا۔

زندگی بھر اُنھوں نے بچوں کو خوشیاں دیں اور اِس کے لئے برسرِپیکار رہے۔اب زندگی کے آخری پڑاؤ پر اُنھیں دُکھ کیوں دیا جائے ؟ اُن پر اپنی مرضی لادنے کے بجائے اُن کی مرضی مان لینا چاہئے۔اگر اُنھیں ان کی کتابوں پر اعتراض ہے تو گھر سے ساری کتابیں ہٹا لینی چاہئے۔

اِس فیصلے پر پہنچنے کے بعد اُنھوں نے سوچا ساری کتابیں کسی لائبریری کو دے دی جائیں تاکہ لوگ اُن کے خزانے سے فیض یاب ہوں۔

لیکن سارا شہر ڈھونڈنے کے بعد بھی اُنھیں کوئی ایسی لائبریری نظر نہیں آئی جسے وہ اپنی ساری کتابیں دے سکیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایک دو لائبریری والوں سے جب اُنھوں نے اِس سلسلے میں بات کی تو اُنھیں جواب ملا۔

"ہمارے پاس جگہ کی بہت تنگی ہے، پھر آپ جس طرح کی کتابیں دینا چاہ رہے ہیں اُس طرح کی کتابیں پڑھنے والے لوگ تو ہمارے یہاں ہیں ہی نہیں ، اِس لئے ہم آپ کی وہ بے کار سی کتابیں لے کر اپنی جگہ کیوں پھنسائیں ؟ "

اِس کے بعد ہی اُنھوں نے اپنی ساری کتابیں ردّی میں فروخت کر دینے کا فیصلہ کر دیا۔

اور اس وقت جب اُن کی کتابیں بک رہی تھیں تو بھی اُنھیں کوئی افسوس یا ملال نہیں ہو رہا تھا۔کیونکہ اُنھوں نے اپنے دِل پر پتھر جو رکھ لیا تھا۔

ڈرائنگ روم کا وہ حصہ خالی ہو گیا تھا تو بہو بیٹوں اور بیٹیوں نے اسے اپنے ڈھنگ سے سجالیا۔اور جب وہ اپنی سجاوٹ کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے تو اُنھیں اطمینان محسوس ہو

رہا تھا کہ چلو شکر ہے۔اُنھوں نے بچوں کی ایک بات مان کر اُنھیں ایک خوشی تو دی۔

ایک ہفتے کے بعد اُنھیں ایک دوست کا فون آیا۔

"کیا بات ہے یار .... ! میں نے سنا تم نے اپنی ساری کتابیں ردّی میں دے ڈالیں ؟"

"ہاں " ! ....

"مگر کیوں ..... ؟ "

"اِس لئے کہ ہماری اولاد اور نئی نسلوں کے دِل میں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ان کے لئے وہ بیکار سی چیز ہے۔ہم نے اپنی وراثت میں اپنی آنے والی نسلوں کو ہر طرح کی خوشیاں ، آسودگی، تعلیم تو دی لیکن نہ تو اُنھیں کتاب آشنا بنایا نہ اُنھیں کتابوں کی عظمت، اہمیت، افادیت اور ضرورت کے بارے میں بتا کر اُنھیں کتابوں کی قدر کرنا سکھایا۔جب ہم نے اُنھیں اپنی یہ عظیم وراثت دی ہی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نہیں تو وہ کتابوں کی اہمیت کس طرح سمجھیں گے۔اُن کے لئے تو وہ بے کار کاغذ کے بوسیدہ پُرزے ہیں۔ان کا گھر میں رکھنا، گھر میں کوڑا کرکٹ رکھنے جیسا ہے۔

اِس لئے اُن کتابوں کو ردّی میں فروخت کرنے کے علاوہ کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔"

مسیحائی

"شاید آپ لوگوں کو مریض کی جان کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ "

ڈاکٹر بابو جی کو چیک کر کے اُن پر بھڑک اُٹھا۔

"اِن کو ایڈمٹ کرنا بے حد ضروری ہے۔اِن کا فوراً خون، شُوگر، یورین ٹیسٹ کیجئے، سٹی اسکین کرنے کی ضرورت ہے۔ بدن کی سونو گرافی اور چھاتی کے ایکسرے کی رپورٹ آنے

کے بعد صحیح طور پر علاج کرنا ممکن ہو گا۔میں ابتدائی علاج شروع کروا دیتا ہوں۔"

ڈاکٹر نے کہتے ہوئے دو تین پُرزے اُن کی طرف بڑھا دئے۔

اور مڑ کر اپنے پاس کھڑی نرسوں کو ہدایتیں دینے لگا۔

نرسوں نے وارڈ بوائز کو آواز دی اور اِس کے بعد وارڈ بوائز کی ہلچل شروع ہو گئی۔

وہ ایک اسٹریچر لے آئے اور پیروں پر چل کر اسپتال آنے والے بابو جی کو اسٹریچر پر ڈال کر لے جایا جانے لگا۔

"ڈاکٹر جنرل وارڈ میں جگہ نہیں ہے۔"ایک نرس نے آ کر اطلاع دی۔

"ٹھیک ہے مریض کو کسی پرائیویٹ روم میں شفٹ کر دو۔" ڈاکٹر نے حکم دیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"افسوس ڈاکٹر کوئی پرائیویٹ روم بھی خالی نہیں ہے۔"نرس بولی۔

"اوہو ! مریض کو ایڈمٹ کر کے اس کا علاج کرنا بہت ضروری ہے، ٹھیک ہے ! کسی اے۔سی روم میں ہی شفٹ کرد و۔"ڈاکٹر بولا

ڈاکٹر کی بات سن کر نرس اُس کا منہ دیکھنے لگی۔

"اِس طرح میرا منہ کیوں دیکھ رہی ہو ؟ " ڈاکٹر چِڑ کر بولا۔

"اے۔سی روم کے چارجز .... ! آپ مریض کے رشتہ داروں سے بھی تو پوچھ لیجئے .... ! "نرس رُک رُک کر بولی

"اب پوچھنے کی کیا ضرورت ہے ؟ " ڈاکٹر غصہ سے بولا۔" مریض میرا ہے، میں مریض کی پوزیشن اچھی طرح سمجھتا ہوں۔یہ لوگ مریض کا علاج کرنے کے لئے یہاں آئے

ہیں۔اگر وہ فوراً اِس سلسلے میں کوئی فیصلہ نہیں کرتے ہیں تو مریض کی جان کو خطرہ پیدا ہوسکتا ہے۔ "

کہتا وہ تیز تیز قدموں سے ایک طرف چل دیا۔

وہ سب ایک دُوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

اِس درمیان وارڈ بوائز بابو جی کو لے کر پتہ نہیں کہاں چلے گئے تھے۔ڈاکٹر کے چلے جانے کے بعد اُنھیں ہوش آیا کہ ابھی تک اُنھیں اِس بات کا بھی علم نہیں ہے کہ بابو جی کو کہاں ایڈمٹ کیا گیا ہے۔تو وہ گھبرا کر ایک طرف دوڑ پڑے۔اور اُنھوں نے ایک نرس کو روک کر پوچھا۔

"سسٹر ! ہمارے بابو جی کو کہاں ایڈمٹ کیا گیا ہے ؟ "

"بابو جی کو اوپر والے فلور پر اے۔سی روم نمبر ۱۰ میں ایڈمٹ کیا گیا ہے۔دو اسپشلسٹ ڈاکٹر آئے ہیں اور وہ آپ کے بابو جی کی جانچ کر رہے ہیں۔ابھی آپ اُن سے نہیں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مل سکتے، اُن کا علاج شروع ہو چکا ہے۔"نرس بولی۔نرس کی بات سن کر وہ سب ہکّا بکّا رہ گئے۔

"ہے بھگوان ! اُنھیں کیا ہو گیا ہے ؟ ابھی تک تو اچھے بھلے تھے۔"ماں نے اپنا دِل تھام لیا۔

اور وہ یہ طے نہیں کرپا رہا تھا کہ بابو جی سچ مچ اچھے تھے یا اُن کی حالت اِتنی غیر ہو گئی تھی کہ اگر وہ تھوڑی دیر اور اُنھیں یہاں نہیں لاتے تو اُن کی جان کو خطرہ پیدا ہو جاتا ؟

دو دِن سے بابو جی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔

ویسے وہ جب سے ریٹائر ہوئے تھے، تب سے ہی اُن کی طبیعت نرم گرم رہتی تھی۔اِس بار بھی طبیعت خراب ہوئی تو اِسی ڈاکٹر کی دوائی شروع کی تھی جس کا وہ علاج کرنے آئے تھے۔

سویرے بابو جی نے بتایا۔

"اِس بار مجھے کوئی فرق محسوس نہیں ہو رہا ہے۔تکلیف بڑھتی جا رہی ہے، سانس لینے میں دُشواری ہو رہی ہے، سر درد سے پھٹا جا رہا ہے، بار بار آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا جاتا ہے اور کلیجہ منہ کو آتا ہے۔"بابو جی کی بات سُن کر اُس نے اُن کا علاج کرنے والے ڈاکٹر سے بات کی۔

"دیکھئے عمر کا تقاضہ ہے۔اِس طرح کی بیماریاں اور شکایتیں تو ہوں گی، اِس کی وجہ کوئی بڑی بیماری بھی ہو سکتی ہے۔ اچھا ہے آپ کسی بڑے اسپشلسٹ کو دِکھا دیں۔میں ایک ڈاکٹر کے نام چٹ لکھ دیتا ہوں ، وہ مرض کو بہت جلدی پرکھ لیتا ہے۔ "

اور وہ بابو جی کو اُس ڈاکٹر کے پاس لے کر آئے تھے۔

پورے تین گھنٹے تک لائن میں بیٹھ کر اُنھوں نے اپنی باری کا انتظار کیا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جب اُن کا نمبر آیا تو آدھے گھنٹے تک ڈاکٹر نے طرح طرح کے آلات سے بابو جی کو اچھی طرح سے چیک کیا تھا اور اُن سے اور بابو جی سے سیکڑوں سوالات کئے تھے۔

اور اِس کے بعد فیصلہ صادر کر دیا تھا۔

بوجھل قدموں سے چلتے وہ اوپر کے فلور پر آئے اور روم نمبر ۱۰ کے سامنے ایک بنچ پر بیٹھ گئے۔ماں زار و قطار رو رہی تھی۔پونم اور وِدےّا اُسے تسلّی دے رہی تھیں۔

"ماں جی ! آپ اپنے آپ کو سنبھالئے، بابو جی کو کچھ نہیں ہوا ہے، وہ جلد ٹھیک ہو جائیں گے، اُن کی تکلیف دُور کرنے کے لئے ہی تو ہم اُنھیں اسپتال میں لائے ہیں۔ایک دو دِن میں وہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔ "

وہ اور اشوک ایک دُوسرے کا منہ تک رہے تھے۔چاہ کر بھی ایک دُوسرے سے کچھ کہہ نہیں پارہے تھے۔

سوچا کہ رینو کا اور وِشاکھا کو بھی بابو جی کی حالت سے مطلع کیا جائے۔

لیکن ماں نے اُنھیں منع کر دیا۔

"بابو جی کی بیماری کی خبر سُن کر دونوں پریشان ہو جائیں گی۔اور بال بچوں کو چھوڑ کر دوڑی آئیں گی۔وِشاکھا تو خیر ۱۰ کلومیٹر دُور رہتی ہے، لیکن رینو کا ۱۰۰ کلومیٹر دُور رہتی ہے۔۔ اُنھیں پریشان نہ کیا جائے۔ "

"ماں تمہارا کہنا دُرست ہے، لیکن بعد میں وہ ہم پر الزام لگائیں گی کہ بابو جی کی طبیعت اِتنی خراب ہو گئی اور ہم نے اُنھیں مطلع بھی نہیں کیا۔"پونم اور وِدیا بولیں

اور اُن کے چہروں کو کچھ اِس طرح تاکنے لگیں ، جیسے اُن سے سوال کر رہی ہو کہ اِس بات کی روشنی میں وہ دونوں فوراً کوئی فیصلہ لیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اندر ایک گھنٹے تک پتہ نہیں کیا کیا چلتا رہا۔کبھی کوئی نرس باہر آتی .... تو کوئی اندر جاتی،کبھی کوئی ڈاکٹر کسی نرس کو ہدایتیں دیتا باہر آتا تو کبھی دُوسراکوئی ڈاکٹر نرس سے باتیں کرتا کمرے میں جاتا۔

ڈیڑھ گھنٹے کے بعد جب اُنھیں بابو جی کو دیکھنے کی اجازت ملی تو بابو جی کو دیکھ کر اُن کا کلیجہ دھک سے رہ گیا اور ماں تو دہاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔

بابو جی بے ہوش پلنگ پر لیٹے تھے۔اُن کی ناک پر ماسک لگا ہوا تھا۔آس پاس ایک دو مشینیں لگی تھیں ، جن کے وائر اُن کے دماغ اور دِل کے قریب کے مقامات سے جڑے تھے۔مشینوں پر ایک برقی رو بجلی سی لہرا رہی تھی۔دونوں ہاتھوں میں سرنج لگی تھی۔

"شش! ماں جی آپ شور مت کیجئے، مریض کو تکلیف ہو گی، آپ انھیں دیکھ کر چلے جائیے۔اُن کی دیکھ بھال کرنے

کے لئے ہم موجود ہیں۔"نرس نے ماں کو پیار سے ڈانٹا۔

اُنھیں زیادہ دیر بابو جی کے پاس رُکنے نہیں دیا گیا۔

ایک نرس دواؤں کی ایک لمبی لسٹ اُسے تھما گئی۔

"یہ دوائیں فوراً لے آئیے۔نیچے میڈیکل میں مل جائیں گی۔

"

اُس نے وہ لسٹ اشوک کی طرف بڑھا دی۔اشوک دوائیں لانے کے لئے نیچے چلا گیا۔

آدھے گھنٹے بعد وہ واپس آیا۔

"کیا بات ہے ؟ " اُس نے اشوک سے پوچھا

"دوائیوں کا بل ساڑے چار ہزار روپیہ ہوا ہے۔"اشوک بولا۔

" اور میری جیب میں اِس وقت صرف تین ہزار روپے ہی ہیں۔ "

اُس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پیسے نکالے اور ۱۵سوروپے گن کر اشوک کی طرف بڑھا دئے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اشوک کے جانے کے بعد ایک نرس ایک چٹھی لے کر آئی۔

"آپ مسٹر دیا نند بھارگو کے بیٹے ہیں ؟ "

"جی ہاں " !

"آپ ۱۵ ہزار روپے کیش کاؤنٹر پر جمع کرا دیں۔اِس اسپتال میں مریض کو داخل کرنے کے ساتھ ۱۵ ہزار روپے پیشگی جمع کرنا ضروری ہوتا ہے۔ "

"لیکن میں تو اِتنے پیسے لے کر نہیں آیا ہوں ؟ ....." وہ ہکلایا۔

"تو گھر جا کر لے آئیے۔ہمارا کیش کاؤنٹر رات میں ۱۲ بجے تک کھلا رہتا ہے۔ "

"لیکن سسٹر رات کے ۱۰ بج رہے ہیں ، اِتنی بڑی رقم گھر میں تو موجود نہیں ہوسکتی جو میں جا کر لے آؤں ؟ کل بینک کھلنے پر رقم میں لا کر جمع کرا دوں گا۔"وہ بولا۔

"دیکھئے ! آپ کا مریض ایڈمٹ کر لیا گیا ہے، اِس لئے اُصولوں کے مطابق پیشگی رقم جمع کرانا بہت ضروری ہے۔ آپ کسی سے اُدھار لے آئیے، سویرے اسے لوٹا دینا۔اگر ممکن نہیں ہے تو آپ ڈاکٹر سے بات کریں۔"نرس کہہ کر چلی گئی۔

نہ تو گھر میں اتنی بڑی رقم تھی اور نہ ہی اِتنی بڑی رقم کا انتظام ممکن تھا۔

اس نے اِس سلسلے میں ڈاکٹر سے بات کرنی ہی مناسب سمجھی۔ڈاکٹر سے اس نے جب اِس سلسلے میں بات کی اور یقین دِلایا کہ سویرے گیارہ بجے تک وہ ۱۵ ہزار روپے لا کر جمع کرا دے گا تو ڈاکٹر نے اُسے رعایت دے دی۔

ایک گھنٹے کے بعد اُنھیں گھر جانے کے لئے کہا گیا۔نرسوں کا کہنا تھا کہ مریض کے پاس کسی کو بھی رُکنے کی ضرورت نہیں۔مریض کی دیکھ بھال کے لئے وہ ہیں۔لیکن جب اُنھوں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نے بہت زیادہ اصرار کیا تو وہ اِس بات کے لئے راضی ہو گئے کہ چاہے تو وہ یا اشوک رات کو اسپتال میں بابو جی کے پاس رُک سکتے ہیں۔

اشوک نے اُسے گھر جانے کے لئے کہا۔وہ بابو جی کے پاس رُک گیا۔وہ، پونم، وِدیا اور ماں گھر واپس آ گئے۔

ماں بابو جی کے پاس رُکنے کے لئے ضد کر رہی تھی۔بڑی مشکل سے اُنھوں نے اُسے سمجھایا۔

دُوسرے دِن ۱۲بجے کے قریب وہ پیسوں کا انتظام کر کے اسپتال گیا۔اُ س نے ۱۵ ہزار روپے کیش کاؤنٹر پر جمع کرا دئے اور اشوک سے بابو جی کی طبیعت کے بارے میں پوچھا۔

"رات بھر تو بے ہوش رہے یا سوتے رہے، کچھ سمجھ میں نہیں آسکا۔سویرے ہوش آیا تو اُن کا سٹی اسکین اور سونو گرافی اور ایکسرے لیا گیا، خون وغیرہ تو رات میں ہی ٹیسٹ کر لیا گیا تھا۔سب کی رپورٹ شام تک آ جائے گی۔ڈاکٹر

نے کہا ہے کہ شام کو وہ ان رپورٹوں کی بنیاد پر صحیح طور پر بتا سکے گا کہ بابو جی کو کیا بیماری ہے ؟ "

"ٹھیک ہے اب تم گھر جاؤ، میں بابو جی کے پاس رہتا ہوں۔ " اُس نے اشوک سے کہا۔

"گھر جا کر بھی کیا کروں گا ؟ " اشوک بولا۔"آج تو آفس سے چھٹی ہی لینی پڑی۔دوپہر تک رُکتا ہوں۔ "

اُسے بھی آفس سے چھٹی کرنی پڑی تھی۔جب تک بابو جی اسپتال میں ہیں تب تک آفس جانے کے بارے میں وہ دونوں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

سویرے وِشاکھا اور رینوکا کو بھی بابو جی کی بیماری کے بارے میں مطلع کر دیا گیا تھا۔

شام تک دونوں بھی آ گئیں۔

رات کو ایک بار پھر پورا خاندان اسپتال میں جمع ہو گیا۔بابو جی اُس وقت سو رہے تھے، دوپہر میں جاگے تھے۔اُس سے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایک دو باتیں بھی کی تھیں لیکن پھر شاید دواؤں کے غلبہ سے پھر اُنھیں نیند آ گئی۔

رات میں ڈاکٹر رپورٹ دینے والا تھا۔

دس بجے کے قریب ڈاکٹر اُنھیں خالی ملا تو سب نے اُسے گھیر لیا۔

"ہاں مجھے سب رپورٹیں مل گئی ہیں۔دراصل آپ کے بابو جی کے دماغ میں ایک گانٹھ ہے جس سے اُن کے دماغ کو خو ن کی سپلائی رُک جاتی ہے۔اگر اس کا وقت پر علاج نہیں کیا جاتا تو اس سے برین ہیمریج ہونے کا بھی خطرہ تھا۔اس کی وجہ سے آپ کے بابو جی کو یہ تکلیفیں تھیں۔ہم نے علاج شروع کر دیا ہے۔بھگوان نے چاہا تو آپ کے بابو جی آٹھ دس دِن یہاں رہنے کے بعد ٹھیک ہو جائیں گے۔ "

اور دو دِن کس طرح گزرے کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔گھر کا ہر فرد اسپتال کے چکّر لگاتا تھا۔بابو جی کبھی بے خبر سوئے رہتے کبھی ہوش میں آتے تو چیخنے لگتے۔

"تم لوگوں نے مجھے یہاں کیوں ایڈمٹ کر رکھا ہے ؟ میں بالکل ٹھیک ہوں ، مجھے گھر لے چلو۔،

تیسرے دِن نرس نے تین دِنوں کے اخراجات کا بل اُسے تھما دیا۔اُس کے مطابق اس وقت تک کل ۱۹ ہزار روپے بل ہو چکا تھا۔ابھی مریض کو اور آٹھ دس دِن اسپتال میں رہنا تھا۔اِس لئے وہ فوراً اور ۱۵ ہزار روپے جمع کر دیں۔اس نے حساب لگایا اس وقت تک ۲۴ ہزار سے زائد خرچ ہو چکا تھا اور آٹھ دس دِن رہنا ہے، اُس کے حساب سے جو حاصل جمع خرچ آیا۔اُسے دیکھ کر اُسے چکّر سے آنے لگے۔

اِدھر بابو جی نے سارا اسپتال اپنے سر پر لے لیا تھا۔

وہ یہی کہتے تھے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"میں بالکل ٹھیک ہوں ، مجھے کچھ نہیں ہوا ہے۔تم لوگ میری جان کے دُشمن بنے ہوئے ہو، تم مجھے مارنے کے لئے یہاں لے آئے ہو۔مجھے فوراً یہاں سے نکال کر گھر لے چلو۔ "

خرچ اور بابو جی کی ضد کو دیکھتے ہوئے اُنھوں نے بابو جی کو اسپتال سے گھر لے جانے کا فیصلہ کر لیا۔

لیکن ڈاکٹر نے صاف کہہ دیا کہ وہ مریض کو ایسی حالت میں گھر لے جانے نہیں دے گا۔اگر مریض کو کچھ ہو گیا تو اس کا دمہ دار کون ؟

چڑ کر اُس نے اشوک سے کہہ دیا کہ ساری ذمہ داری وہ اپنے سر لیتے ہیں۔

اس کے پاس اِتنا مہنگا علاج کرنے کے لئے اور پیسہ نہیں ہے۔اگر ڈاکٹر نے زبردستی بابو جی کو اسپتال میں رکھا تو وہ اب ایک پیسہ بھی بل ادا نہیں کر سکتے۔

اُن کی دو ٹوک بات سن کر ڈاکٹر نے بابو جی کو اسپتال سے ڈسچارج کر دیا۔

بابو جی گھر آئے تو بھلے چنگے تھے۔

وہ دونوں اِس بات کا حساب لگا رہے تھے کہ بابو جی کے علاج پر جو پیسہ خرچ ہوا ہے، اُنھوں نے کتنے دِنوں میں ایک ایک پیسہ جوڑ کر جمع کیا تھا ....

ایک دِن پھر بابو جی کی حالت خراب ہوئی۔

پھر بابو جی کو ایک ڈاکٹر کے پاس لے جانا پڑا۔

"شاید آپ لوگوں کو مریض کی جان کی کوئی پرواہ نہیں ہے ؟ " ڈاکٹر بابو جی کو چیک کر کے ان پر بھڑک اُٹھا۔"ان کو فوراً ایڈمٹ کرنا بے حد ضروری ہے۔ان کا فوراً خون، شوگر، یورین ٹیسٹ کیجئے۔سٹی اسکین کرنے کی ضرورت ہے۔بدن کی سونوگرافی اور چھاتی کے ایکسرے کی رپورٹ آنے کے بعد

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہی صحیح طور پر علاج کرنا ممکن ہو پائے گا۔میں ابتدائی علاج شروع کروا دیتا ہوں " ! .....

اذان

شاید وہ رات کا آخری پہر ہو گا۔معمول کے مطابق آنکھ کھل گئی تھی۔اُس نے اندازہ لگایا، شاید ۴ بج رہے ہوں گے۔ آج آنکھ معمول سے کچھ پہلے ہی کھل گئی ہے۔

اب آنکھ بند کر کے لیٹے رہنا بھی لاحاصل تھا۔نیند تو آنے سے رہی۔صبح تک کروٹیں بدلنے سے بہتر ہے کہ باہر آنگن میں بیٹھ کر صبح کی ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکوں سے لُطف اندوز ہوا جائے۔اُس نے بستر چھوڑا اور گھر کے باہر آیا۔ چاروں طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔گھر کے باہر بندھے جانوروں نے تاریکی میں بھی اُس کی آہٹ سُن لی یا شاید اُنھوں نے اُس کی مانوس بُو سونگھ لی ہو۔وہ اپنی اپنی

زُبانوں میں اُسے آوازیں دے کر اپنی موجودگی کا احساس دِلانے لگے۔

"اچھا بابا ! مجھے پتہ ہے تم لوگ جاگ رہے ہو، آتا ہوں۔" کہتا وہ مویشی خانے کے پاس آیا۔اُسے دیکھ کر گائے نے منہ سے آواز نکالی۔

"اب چپ بھی ہو جا۔"اُس نے گائے کی پیٹھ تھپتھپائی تو وہ زُبان نکال کر اُس کا ہاتھ چاٹنے لگی۔اُس کے بعد بھینس، بیل، بکریاں اور بھیڑیں شور مچانے لگے۔

وہ اُن کو آوازیں دیتا چپ رہنے کے لئے کہنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد سب چپ ہو گئے تو وہ آنگن میں رکھی کھاٹ پر آ کر بیٹھ گیا اور تمباکو نکال کر چلم بھرنے لگا۔

چلم کا ایک کش لے کر اُس نے دُور گاؤں کی طرف ایک نظر ڈالی۔اندھیرے میں ڈوبا گاؤں اُسے کسی آسیبی حویلی کی طرح دِکھائی دے رہا تھا۔وقت دھیرے دھیرے سرک رہا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھا اور اُفق پر ہلکی ہلکی سُرخی نمودار ہو رہی تھی۔لیکن ماحول پر سکوت کا وہی عالم تھا۔اُس کے کان اُس سکوت کو توڑنے والی ایک آواز کے منتظر تھے۔

اُس سکوت کو سب سے پہلے توڑنے والی اللہ بخش کی اذان کی آواز۔

لیکن اُفق پر پَو پھٹ گئی۔ہنومان، وِشنو، جا رام، شنکر کے مندروں کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ساتھ بجنے والی تمام منادر کی گھنٹیوں سے ایک بے ہنگم شور نے سنّاٹے کے سینے کو درہم برہم کر دیا۔

اور پھر وہ بھی خاموش ہو گئے۔

لیکن اللہ بخش کی آواز نہ تو فضا میں اُبھری اور نہ اُسے اللہ بخش کی اذان کی آواز سنائی دی۔

ایک لمبی سانس لے کر اُس نے اپنے سر کو جھٹک دیا۔

وہ بھی کتنا بے وقوف ہے۔

وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اللہ بخش اپنے بچے ہوئے خاندان کے ساتھ اُس گاؤں کو چھوڑ کر جا چکا ہے۔جس مسجد کے آنگن سے وہ اذان دیتا تھا وہ مسجد اب کھنڈر میں تبدیل ہو چکی ہے۔اُس کے اندر اب ہنومان کی مورتی رکھی ہوئی ہے۔پھر بھلا اُسے اللہ بخش کی اذان کی آواز کس طرح سُنائی دے سکتی ہے۔

اب تو اللہ بخش کو گاؤں چھوڑے مہینوں ہو گئے ہیں۔پھر بھی اُس کے کان اللہ بخش کی اذان کے منتظر کیوں رہتے ہیں؟

شاید اِس لئے کہ وہ گذشتہ چالیس برسوں سے اللہ بخش کی اذان کی آواز سُن رہا تھا۔

دِن کے شور میں تو اُسے اللہ بخش کی اذان کی آواز سُنائی نہیں دیتی تھی۔لیکن فجر میں اور عشاء میں اُس کی اذان کی آواز ہر کوئی صاف صاف سُن سکتا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اُسے اذان کی آواز سُن کر ایک قلبی سکون ملتا تھا۔یہ سوچ کر کہ میری طرح میرا دوست بھی جاگ گیا ہے اور وہ اپنے خدا کی عبادت میں لگا ہے اور عبادت میں شریک ہونے کے لئے دُوسرے بندوں کو پکار رہا ہے۔

چالیس سالوں میں ایسے بہت کم مواقع آئے تھے جب اُس نے اللہ بخش کی اذان نہ سُنی ہو۔اِن موقعوں میں وہ دِن تھے جب وہ کسی کام سے گاؤں سے باہر گیا ہو یا پھر اللہ بخش کسی کام سے باہر گیا ہو گا۔

چالیس سالوں سے وہ اذان کی آواز سُن رہا تھا۔لیکن گذشتہ ۱۶۰ سالوں سے وہ اللہ بخش کو جانتا تھا۔ایسا کوئی بھی دِن نہیں گزرا تھا جب اُس کا اور اللہ بخش کا سامنا نہیں ہوا ہو یا بات چیت نہ ہوئی ہو یا دونوں نے مل کر ساتھ تمباکو نہ پی ہو۔ لیکن وہی اللہ بخش ایک دِن اُسے، اِس گاؤں کو چھوڑ کر چلا گیا، جس میں وہ پیدا ہوا تھا، پلا بڑھا تھا، جہاں اُس کا گھر

تھا، کھیت تھے، مسجد تھی۔جسے اُس نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا۔

اور وہ جاتے ہوئے اُسے روک نہیں سکا تھا۔

اُس میں اللہ بخش کو روکنے کی ہمّت بھی نہیں تھی۔وہ کس منہ سے اُس سے کہتا۔

"اللہ بخش اِس گاؤں کو چھوڑ کر مت جاؤ ! یہ گاؤں تمہارا ہے، تم یہیں پیدا ہوئے ہو۔ہم ساتھ کھیلے ہیں ، بڑے ہوئے ہیں ، یہاں تمہاری اولادیں پیدا ہوئی ہیں ، اِس گاؤں کے قبرستان میں تمہارے ماں باپ اور کئی رشتہ دار دفن ہیں۔ اِس گاؤں کو چھوڑ کر مت جاؤ۔ "

اُسے پتا تھا کہ اگر وہ ایسا کہتا تو اللہ بخش کا ایک ہی جواب ہوتا۔

"رام بھائی ... ! اِس گاؤں نے میرا جوان بیٹا چھین لیا، میرا دُوسرا بیٹا اپاہج ہو گیا، میری بہو کی طرف ناپاک ہاتھ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بڑھے، لیکن میری بہو نے اُن ناپاک ہاتھوں کو اپنے جسم کا
لمس دینے سے قبل اپنی جان دے دی،اِس گاؤں میں
میری بیٹیوں کی عصمت تار، تار ہونے ہی والی تھی، خدا نے
کسی طرح اُنھیں بچا لیا، میرے اس کھیت کو جلا کر راکھ کر
دیا گیا جو چار مہینے تک اپنے خون سے سینچ، سینچ کر میں
نے لہلہائے۔اِس گاؤں میں میرے پیار کے شِوالے،
میرے گھر کو توڑ دیا تھا، مسجد کو کھنڈر بنا کر اُس میں
ہنومان کی مورتیاں رکھ دی گئیں۔اب آگے اِس بات کی
کیا گیارنٹی ہے کہ میرے کسی بیٹے کی جان لینے کی
کوشش نہیں کی جائے گی، میری بیٹیوں کی طرف ہوسناک
نظریں نہیں اُٹھیں گی۔میری عبادت گاہ مسمار نہیں کی
جائے گی ؟"
اللہ بخش کی اِس بات کا کسی کے پاس جواب نہیں تھا۔

اُس کی آنکھوں کے سامنے سب کچھ ہوا تھا۔مسجد توڑی گئی
تھی اور اُس میں ہنومان کی مورتیاں رکھی گئی تھیں ، اُس
کے کھیت اور گھر جلائے گئے تھے، اُس کے بیٹوں کو
ترشولوں سے وار کر کے مارا گیا تھا۔
اُس کی بہو، بیٹیوں کی طرف ہوسناک ہاتھ بڑھے تھے۔
وہ چپ چاپ تماشہ دیکھتا رہا تھا۔
کسی کو روک نہیں سکا تھا۔گاؤں کے کسی بھی فرد نے ان
بلوائیوں کو روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔
جن لوگوں نے یہ سب کچھ کیا وہ سب اِس کے اپنے تھے،
اِسی گاؤں کے لوگ، جو اِس گاؤں میں پل کر جوان ہوئے
تھے، وہ اللہ بخش کی گود میں کھیلے تھے، اُس کے کھیتوں
سے آم چرا کر اُنھوں نے کھائے تھے۔
جسے وہ اللہ بخش چاچا کہتے تھے، اُن ہی لوگوں نے اُس کے
خاندان کے ساتھ یہ سب کیا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ اور اُس کے جیسے سیکڑوں لوگ تماشہ دیکھتے رہے تھے اور اللہ بخش کو پُرسہ دینے، اپنی دوستی، تعلقات کا یقین دِلانے کے لئے اُس وقت پہنچے تھے جب اُس کا سب کچھ لُٹ گیا تھا۔

جس وقت وحشت کا یہ ننگا ناچ ہوا تھا، اُس وقت اللہ بخش گاؤں میں نہیں تھا۔

وہ کسی کام سے شہر گیا تھا۔جب وہ شہر سے لوٹا تو سب کچھ برباد ہو گیا تھا۔

اگر اللہ بخش گاؤں میں ہوتا اور اُس کے سامنے یہ سب کچھ ہوتا تو وہ شاید زندہ نہیں رہتا۔

یا تو وہ اُس کے بڑے بیٹے کی طرح مار دیا جاتا یا پھر یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد خود مر جاتا۔

اِس کے بعد وہ گاؤں میں نہیں رہ سکا، اُسے اپنے زخمی خاندان کو لے کر شہر سے جانا پڑا۔

شہر سے آنے کے بعد تو اُس کا گاؤں میں رہنا اور بھی مشکل ہو گیا۔اُسے دھمکیاں ملنے لگیں۔گاؤں چھوڑ کر چلے جاؤ ورنہ گذشتہ بار جو نہیں ہوا اِس بار وہ ہو گا۔اِس بار کوئی نہیں بچ پائے گا۔

اِس گاؤں میں پیدا ہوئے، پلے، بڑھے اللہ بخش کے ہزاروں دوست، شناسا تھے، ہر کوئی اُسے جانتا تھا، ہر کسی کے اُس کے ساتھ تعلقات تھے۔

سب اللہ بخش کو تسلّی دینے گئے تھے۔

"جو ہوا بہت برا ہوا۔ "

"اگر وہ برا ہو رہا تھا تو آپ لوگوں نے اُسے روکا کیوں نہیں ؟ "

اللہ بخش جب اُن سے سوال کرتا تو سب لاجواب ہو جاتے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اِس لئے جب اُس نے اپنے خاندان کے ساتھ گاؤں چھوڑنے کا فیصلہ کیا تو چند ہی لوگوں نے اُسے روکنے کی کوشش کی۔

"میں مانتا ہوں ، لیکن جو دھمکیاں مجھے روزانہ مل رہی ہیں ، اُن کا کیا ہو گا ؟ اِس بات کی کیا ضمانت ہے کہ جو کچھ میرے خاندان کے ساتھ ہوا دوبارہ نہیں ہو گا،ہم اِس گاؤں میں پہلے ہی کی طرح محفوظ رہیں گے ؟ "

لیکن اِس بات کی کوئی بھی ضمانت نہیں دے سکا۔

"وہ بچے ہیں اور بہک گئے ہیں ، اِس طرح بہک گئے ہیں یا بہکا دئے گئے ہیں کہ اُن کو راہ پر لانا ناممکن ہے اور تم تو جانتے ہو ؟ آج کل کے نوجوان کسی کی نہیں سنتے ہیں۔"اللہ بخش کو جواب ملتا۔

"تو اِس کا مطلب یہی ہے کہ مجھے اپنے خاندان والوں کے ساتھ یہ گاؤں چھوڑنا پڑے گا۔تمہارے بچے نہیں چاہتے ہیں

کہ ہم لوگ اِس گاؤں میں رہیں ، جو میرا اپنا گاؤں ہے۔تم میں اپنے بچوں کو روکنے کی طاقت نہیں ہے، اِس کا مطلب بھی صاف ہے کہ تم بھی اپنے بچوں کے جرم میں برابر کے شریک ہو۔تو ٹھیک ہے، اب میں کوئی خطرہ نہیں لینا چاہتا۔مجھے اور میرے خاندان کو کہیں نہ کہیں تو پناہ مل ہی جائے گی۔اللہ کی زمین بہت بڑی ہے۔ "

جس دِن اللہ بخش کا خاندان گاؤں چھوڑ کر گیا، اُسے اور اُس کے جیسے چند لوگوں کو بہت دُکھ ہوا، لیکن گاؤں میں جشن منایا گیا۔اللہ بخش کے گھر کی اینٹوں کو توڑ، توڑ کر، مسجد کو توڑ کر اپنی کامیابی، فتح پر رقص کیا گیا۔اللہ بخش کے کھیت پر قبضہ کر کے اُس کے حصّے بخرے کئے گئے۔

وہ چلا گیا، لیکن اُس کے جانے کے ساتھ اُس سے وابستہ سالوں کی یادیں نہیں جاسکیں۔

وہ اللہ بخش جس کے ساتھ بچپن سے وہ کھیلتا، کودتا آیا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جو اُس کے ساتھ ساتھ گاؤں کی اسکول میں پڑھا تھا۔
جس کے ساتھ وہ گاؤں ، کھیت سے وابستہ ہر مسئلے پر بحث کرتا تھا اور اللہ بخش کے نیک مشورے قبول کرتا تھا۔
عید، بقر عید کے دِن وہ جس اللہ بخش کے گھر شیر خرمہ کھانے جاتا تھا، محرم کے ایام میں شربت اور کھچڑا کھانے جاتا تھا، دیوالی، نو راتری پر جس کو وہ اپنے گھر بلاتا تھا۔
نو راتری کے تہوار پر جب اللہ بخش کاٹھیاواڑی لباس پہن کر ڈانڈیا کھیلتا تو کوئی اُسے پہچان نہیں پاتا تھا کہ اللہ بخش ہے، جو مسلمان ہے، گاؤں کی اکلوتی مسجد کا مؤذن ہے، پیش اِمام ہے، گاؤں کے مسلمان بچوں کو عربی کی تعلیم دیتا ہے اور اُنھیں دین کی باتیں بتاتا، سکھاتا ہے۔
سویرے جاگنے کے بعد اللہ بخش کی اذان کی آواز اُسے بہت بھلی لگتی تھی۔رات میں جب تک اذان کی آواز اُس کے

کانوں میں نہیں پڑتی تھی تب تک اُسے میٹھی گہری نیند نہیں آتی تھی۔
ایک دِن اُس نے اللہ بخش سے پوچھا تھا۔
"بھائی اللہ بخش ! تم اِس اذان میں کیا پکارتے ہو ؟ "
"اِس اذان میں اللہ کی تعریف اور اللہ کی عبادت کے لئے آنے کا بلاوا ہوتا ہے۔ "
اُس کا لڑکا شہر سے ٹیپ ریکارڈر لے آیا تھا۔
ایک دِن جب اللہ بخش کسی کام سے اُس کے گھر آیا تو وہ اُس سے بولا۔
"اللہ بخش ! تم اذان پکارو میں تمہاری اذان کو ٹیپ کرنا چاہتا ہوں۔ "
"نہیں رام بھائی ! اذان کسی بھی وقت نہیں دی جاتی، اِس کے اوقات مقرر ہیں۔اُن ہی اوقات میں اذان دی جاتی ہے۔ "

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لیکن جب وہ اللہ بخش سے بہت زیادہ اصرار کرنے لگا کہ وہ اُس کی اذان کو ٹیپ کرنا ہی چاہتا ہے تو اللہ بخش نے اذان دی اور اُس نے اُسے ٹیپ کر لی۔

"میں نے آج تمہارے گھر میں اذان دی ہے۔دیکھنا اِس اذان کی قوت سے تمہارے گھر میں جو بلائیں ، آسیب، شیطان، بھوت، پریت آتما ہوں گی ؟ بھاگ جائیں گی۔"

اور کچھ دِنوں بعد سچ مچ اُسے محسوس ہوا کہ اُس کے گھر میں واقعی بہت نمایاں تبدیلی ہوئی ہے۔جن بلاؤں ، آسیب کا گھیرا اُس کے گھر میں تھا، اللہ بخش کی اذان سے وہ دُور ہو گیا۔

گذشتہ پچاس سالوں میں کئی بار پورا ملک فسادات میں جھلسا، لیکن اُن کی گرم ہوا کبھی بھی اُن کے چھوٹے سے گاؤں کو نہیں چھو سکی۔لیکن وہ گذشتہ چار پانچ سالوں سے بڑی شدّت سے محسوس کر رہا تھا کہ اُن کی آل اولاد کے خیالات میں

بڑی تیزی سے تبدیلی آ رہی ہے۔اُن کی نسل کے لوگ کبھی بھی اللہ بخش اور اُس کے مذہب کے لوگوں کے بارے میں باتیں نہیں کرتے تھے۔

لیکن یہ نئی نسل اب صرف اللہ بخش اور اُس کے مذہبی بھائیوں کے بارے میں ہی باتیں کرتے ہیں اور اُن کی باتوں میں نفرت کا زہر بھرا ہوتا ہے۔گاؤں کا ہر چھوٹا بڑا اللہ بخش کی عزت کرتا تھا لیکن یہ چھوٹے موقع ملنے پر بات بات پر اللہ بخش کی توہین کرنے کی کوشش کرتے ہیں ، اُس سے اور اُس کے خاندان سے اُلجھتے ہیں۔

کبھی کبھی اللہ بخش بڑے دُکھ سے کہتا تھا۔

"رام بھائی ! کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔گذشتہ پچاس سالوں میں جو میرے یا میرے خاندان کے ساتھ اِس گاؤں میں نہیں ہوا، وہ ہو رہا ہے۔"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"چھوٹی چھوٹی باتوں پر دِل کیوں چھوٹا کرتے ہو اللہ بخش ! ہم ہیں نا، یہ سب تو چلتا رہتا ہے۔"وہ اُسے سمجھاتا۔

اور اُس دِن وہ سب کچھ ہو گیا۔

اچانک ہوا یا پہلے سے طے شدہ تھا۔اِس بارے میں وہ کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔

اور اللہ بخش کو گاؤں چھوڑ کر جانا پڑا۔

اب گاؤں میں صرف اللہ بخش کی یادیں اور اُس کی کھنڈر سی نشانیاں ہیں۔اُس کا ٹوٹا ہوا گھر، جلی ہوئی مسجد جس میں ہنومان کی مورتیاں رکھی ہیں۔کھیتی جس پر پتہ نہیں کتنے لوگوں کا قبضہ ہے۔

جنھوں نے یہ سب کیا تھا کیا شاید وہ بھول بھی گئے ہوں گے ؟

لیکن وہ اُسے نہیں بھول سکا۔

اُسے بار بار یہ محسوس ہوتا ہے اللہ بخش جیسے اُس کی رگ، رگ میں بسا ہوا ہے۔اُسے اللہ بخش کی ایک ایک بات یاد آتی ہے۔اللہ بخش کے ساتھ گزارا ایک ایک لمحہ یاد آتا ہے۔اُسے ہر جگہ اللہ بخش کی کمی محسوس ہوتی ہے۔پتا نہیں اُن لوگوں کو اللہ بخش کی کمی محسوس ہوتی بھی ہے یا نہیں ، جنھوں نے اُسے گاؤں چھوڑنے پر مجبور کیا تھا۔اُسے گاؤں چھوڑنے پر مجبور کر کے پتا نہیں اُن کے کس جذبۂ اَنا کو تسکین ملی ؟

وہ روزانہ جاگتا ہے تو اُس کے کان اللہ بخش کی اذان سننے کے لئے بیتاب رہتے ہیں۔اُسے پتا تھا کہ اللہ بخش کی اذان کی آواز سنائی نہیں دے گی۔کیونکہ اللہ بخش یا کوئی اور میاں بخش اِس گاؤں میں نہیں رہتا ہے۔پھر بھی اُس کے کان اذان کی آواز سننا چاہتے تھے۔

اُسے اللہ بخش کی اذان سن کر ایک ذہنی سکون ملتا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لیکن اب اُسے وہ آواز سنائی نہیں دیتی ہے تو دِن بھر ایک بے چینی کا شکار رہتا ہے۔

جب اُس کی بے چینی حد سے زیادہ بڑھ جاتی ہے تو وہ ٹیپ ریکارڈر کے پاس جاتا اور اُس میں وہ کیسیٹ لگاتا جس میں اُس نے ایک دِن اللہ بخش کی اذان ٹیپ کی تھی۔

اور جب وہ پورے والیوم میں اللہ بخش کی اذان سنتا تو اُس کے دِل کو بڑا سکون ملتا تھا۔

حیٰ علی الفلاح، حیٰ علی الفلاح .....

تریاق

رات بارہ بجے کے قریب میٹنگ سے جب وہ گھر آئے تو اُنھوں نے شاکرہ کو بے چینی سے ڈرائنگ روم میں ٹہلتا ہوا پایا۔اُس کی حالت دیکھ کر اُن کا دِل دھک سے رہ گیا اور

ذہن میں ہزاروں طرح کے وسوسے سر اُٹھانے لگے۔شاکرہ کی بے چینی سے اُنھوں نے اندازہ لگایا تھا کہ کچھ نہ کچھ ہوا ہے جس کی وجہ سے شاکرہ اِتنی بے چین ہے۔

وہ کمرے میں داخل ہوتے تو شاکرہ نے سر اُٹھا کر اُن کو دیکھا، اُس کے ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ اُبھری اور پھر اُس نے اپنا سر جھکا لیا۔

جیسے وہ بہت کچھ اُن سے چھپانا چاہتی ہو۔اگر نظریں مل گئیں تو اُسے ڈر ہے کہ وہ اُس کی آنکھوں سے سب کچھ پڑھ لیں گے۔

"کیا بات ہے، تم ابھی تک سوئی نہیں ؟ " اُنھوں نے شاکرہ سے پوچھا۔

"نہیں ، نیند نہیں آرہی ہے۔"شاکرہ نے جواب دیا۔

"سب ٹھیک تو ہے ؟ " اُنھوں نے اپنے دِل پر جبر کر کے پوچھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"عادل کی حالت بگڑتی جا رہی ہے۔"شاکرہ نے ایک ایک لفظ کو چبا کر کہا۔" مسلسل دو گھنٹے سے چیخ چیخ کر اُس نے سارے بنگلے کو سر پر اُٹھا لیا تھا۔پڑوس کے بنگلوں تک اُس کی چیخیں جا رہی تھیں اور وہ لوگ بھی انکوائری کے لئے آ رہے تھے۔ کمرے کی ہر چیز کو اُس نے تہس نہس کر دیا ہے۔ مجبوراً ڈاکٹر کو بلا کر اُسے نیند کا انجکشن دینا پڑا، لیکن ڈاکٹر کہتا ہے اِس انجکشن سے مضبوط سے مضبوط آدمی دس گھنٹوں تک سویا رہتا ہے، لیکن عادل کی جو حالت ہے، وہ جس اسٹیج میں ہے،مجھے ڈر ہے کہ دو گھنٹے بعد ہی اِس انجکشن کا اثر ختم ہو جائے گا اور اِس کی حالت پھر اُسی طرح سے ہو جائے گی۔ میرا مشورہ ہے کہ اب اس پر اور زیادہ جبر نہ کیا جائے۔وہ جو ڈوز لیتا ہے اسے دے دیا جائے اسی سے وہ نارمل ہوسکتا ہے ایسی حالت میں زیادہ دِنوں تک رہنے سے اُس کی جان کو خطرہ پیدا ہوسکتا ہے"

شاکرہ کی باتیں سن کر اُن کا دِل ڈوبنے لگا۔اُنھوں نے شاکرہ کو کوئی جواب نہیں دیا اور بے اِختیار عادل کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

عادل پلنگ پر بے خبر سو رہا تھا۔

اُس کی اور کمرے کی حالت دیکھ کر وہ کانپ اُٹھے۔

کمرے میں کوئی بھی چیز ٹھکانے پر نہیں تھی۔ہر چیز بکھری یا ٹوٹی ہوئی تھی۔عادل کے سر کے بال نچے ہوئے تھے اُس کے چہرے اور جسم پر کئی مقام پر زخموں کے نشانات تھے۔

اُنھیں پتہ تھا جنون کے عالم میں عادل نے اپنے آپ کو ہی زخمی کیا ہو گا۔ایسی حالت میں خود کو اذیّت پہنچانے سے ہی اُسے سکون ملتا ہے۔

زیادہ دیر وہ اور عادل کو دیکھ نہیں سکے اور تیزی سے کمرے کے باہر آ گئے۔شاکرہ کے ضبط کا باندھ ٹوٹ گیا تھا۔اچانک

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔اُس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا تھا۔

"خدا کے لئے اب عادل پر اور کوئی جبر مت کیجئے۔وہ جس حالت میں جیتا ہے اُسے اُسی حالت میں زندہ رہنے دیجئے۔کم سے کم وہ ہماری آنکھوں کے سامنے تو رہے گا۔ورنہ ایسی حالت میں وہ ایک دِن مر جائے گا۔اگر اُسے کچھ ہو گیا تو میرا کیا ہو گا ؟ میری ایک ہی تو اولاد ہے۔یہ ہماری زمین، جائداد، دھن، دولت سب عادل ہی کا تو ہے۔وہ اکیلا ہی اِن سب کا وارث ہے، جب وہی نہیں ہو گا تو پھر اِن چیزوں کا کیا فائدہ ؟ آپ نے کس کے لئے یہ سب کمایا ہے، عادل کے لئے ہی نا ؟ پھر عادل کی زندگی کے دُشمن کیوں بن رہے ہیں ، وہ جو چاہتا ہے اُسے دے دیجئے۔"

"تم مجھے عادل کی زندگی کا دُشمن کہہ رہی ہو ؟ "

شاکرہ کی بات سن کر اُن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"عادل میری اکلوتی اولاد ہے۔یہ سب کچھ میں نے اُسی کے لئے تو کمایا ہے۔مجھ سے اپنی اولاد کا پل پل مرنا دیکھا نہیں جاتا۔اُس کی پل پل موت میرے لئے اِتنی بڑی سزا ہے جسے میں بیان نہیں کر سکتا۔مجھ سے اِس کی تڑپ دیکھی نہیں جاتی اور بس اِسی لئے اپنے آپ پر جبر کرتا ہوں ، باپ ہوں نا۔سوچتا ہوں وہ اسی طرح تِل تِل مرنے کے بجائے ایک بار مر جائے تو اسے بھی اس عذاب سے نجات مل جائے اور ہم بھی صبر کر لیں گے۔"

"آپ ایسا کیوں سوچتے ہیں ؟ خدا ہمارے بچے کو شفا دے گا۔"

اُن کی بات سن کر شاکرہ تڑپ اُٹھی۔

"اگر خدا ہمارے بچے کو کوئی بیماری دیتا تو اُس کی ذات سے ہمیں شفا یابی کی اُمید ہوتی۔لیکن یہ روگ تو ہمارے بیٹے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نے خود پالا ہے اور میں سمجھتا ہوں ، اِس کا ذمہ دار ہے
تمہارا بے جا لا ڈ و پیار اور میری کاروباری مصروفیات .....
میرے کاروبار نے مجھے اِتنا وقت نہیں دیا کہ میں اپنے
کاروبار کے ساتھ ساتھ اپنی توجہ اپنے بیٹے پر بھی دے سکوں
اور تمہارے لئے تو وہ تمہاری اکلوتی اولاد تھی۔اُس کی ہر جائز،
ناجائز فرمائش تمہارے سر آنکھوں پر تھی۔بس یہی زہر تھا
جو اُس کی شریانوں میں بہتا گیا اور اُس کے وجود کا ایک
حصّہ بن گیا۔ "
شاکرہ نے کوئی جواب نہیں دیا وہ سسکتی رہی۔
اُنھوں نے اندازہ لگا لیا تھا عادل کی کیا حالت ہو گی۔
ڈوز کا وقت پورا ہو گیا تھا اور اُسے اس کی سخت ضرورت
تھی۔

وہ ٹال رہے تھے،چاہ رہے تھے کہ عادل خود میں قوتِ اِرادی
پیدا کرے اور وہ اس نشے کی گرفت سے باہر نکلنے کی
کوشش کرے۔
دو دِن سے عادل اُن کے سامنے گڑگڑا رہا تھا۔
"ڈیڈی ! مجھے پیسے چاہیے، مجھے پانچ ہزار روپیوں کی سخت
ضرورت ہے۔پلیز مجھے پانچ ہزار روپے دے دیجئے، میں آپ
سے وعدہ کرتا ہوں ، میں مہینہ بھر آپ سے پیسہ نہیں
مانگوں گا۔"
لیکن اُنھوں نے پیسہ نہیں دیا۔
اِس بار اُنھوں نے اِس بات کا بھی خاص خیال رکھا تھا کہ
عادل کے پاس کوئی قیمتی چیز نہ رہے، جسے فروخت کر کے
وہ پانچ ہزار روپے حاصل کر لے اور اُس سے اپنی من چاہی
مراد حاصل کر لے۔
اُنھوں نے شاکرہ کو بھی سخت تاکید دے رکھی تھی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"خبردار ! اگر تم نے اُسے پیسے دئے تو۔اگر مجھے پتہ چلا کہ تم نے اُسے پیسے دئے تو میں تمہیں گھر میں نہیں رکھوں گا۔"وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ عادل اِس زہر کے بنا کتنے دِنوں تک رہ سکتا ہے۔

لیکن ایک دِن میں ہی عادل کی وہ حالت ہو گئی تھی کہ اُسے دیکھ کروہ خود بھی گھبرا گئے تھے۔

اُنھوں نے ڈاکٹر کو فون کر کے اِس سلسلے میں گفتگو کی۔

"باقر صاحب ! آپ کی کوشش بے کار ہے، عادل آخری حدوں کو پار کرچکا ہے۔اب وہ زہر ہی اُسے زندہ رکھے گا۔ آپ اپنے بیٹے کی زندگی چاہتے ہیں تو اسے وہ زہر دے دیجئے۔اُس کی زندگی بڑھ جائے گی۔آپ جتنے دِنوں تک اُسے اس زہر سے دُور رکھیں گے، اُس کی زندگی کم سے کم ہوتی جائے گی۔"

"ڈاکٹر ! قیمتی سے قیمتی نشہ آور شراب، گرد، چرس، افیم اور اسمیک . کیا کسی سے بھی کام نہیں چل پائے گا ؟"

"باقر صاحب ! ناگ کے زہر میں جو نشہ ہوتا ہے وہ ایک ہزار شراب کی بوتلوں میں بھی نہیں ہوتا۔اور جو شخص ناگ کے زہر کے نشے کا عادی ہو آپ اُسے شراب کی بوتل سے بہلانے کی کوشش کر رہے ہیں ؟ آپ کی یہ کوشش بے کار ہے باقر صاحب ! اپنے بیٹے کی زندگی سے مت کھیلئے۔اگر آپ اُسے زندہ دیکھنا چاہتے ہیں تو اُسے زہر دیجئے ... زہر ..... ناگ کا زہر " ! .....

عادل کے لئے اُنھوں نے دُنیا کے بڑے بڑے ڈاکٹروں سے رابطہ قائم کیا تھا۔

لیکن اُنھیں ہر طرف مایوسی ہی ملی تھی۔ایک دو ڈاکٹروں نے دِلاسہ دیا تھا مگر اِس بات کی اُمید نہیں دِلائی تھی کہ عادل اچھا ہو جائے گا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اپنے کمرے میں آنے کے بعد وہ کمرے میں ٹہلنے لگے۔
نیند اُن کی آنکھوں سے کوسوں دُور تھی۔شاکرہ بستر پر لیٹی تھی، نیند اُس کی آنکھوں میں بھی نہیں تھی۔
اُنھیں پتا تھا سو کر کوئی فائدہ نہیں۔
تھوڑی دیر بعد ہی اُنھیں اُٹھنا پڑے گا۔
نیند سے جاگنے کے بعد عادل وہ ہنگامہ مچائے گا کہ سارا محلہ جاگ جائے گا۔
سب کچھ کیسے ہو گیا۔اب سوچتے ہیں تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ عادل کو ۱۲، ۱۵ سال کی عمر سے نشہ کی لت ہے۔
وہ باقاعدگی سے اسکول اور کالج جاتا تھا۔دِن، دِن بھر گھر سے غائب رہتا تھا اور رات دیر سے گھر آتا تھا، ماں پوچھتی تو بتا دیتا تھا کہ اس دوست کے ساتھ تھا یا اُس دوست کے ساتھ تھا۔شاکرہ عادل کی یہ آوارگیاں اُن سے چھپاتی رہتی تھی۔

عادل کو خرچ کے لئے وہ بھی پیسے دیتے تھے اور شاکرہ بھی۔بس ان ہی پیسوں کی وجہ سے وہ غلط صحبت میں پڑ گیا۔
پہلے دوستوں نے اُسے بیئر پلائی پھر وہسکی۔
پھر اسے چرس، افیون، گانجا، اسمیک اور گرد کا چسکہ لگایا۔
ایل۔ایس۔ڈی اور دُوسری نشہ آور چیزوں کے ٹیکے وہ لینے لگا۔
اور انھیں اِس کا پتہ ہی نہیں چل سکا۔
اسکول میں کبھی فیل ہوتا تو کبھی ان کے رسوخ، وسیلے سے پاس ہو جاتا۔
کالج میں بھی یہی حال تھا۔اُنھوں نے اُسے کوئی ٹیکنیکل یا بڑے کورس میں داخل نہیں کیا تھا۔
وہ اُس کی ذہنی سطح سے اچھی طرح واقف تھے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اِن کا خیال تھا اگر عادل گریجویشن بھی کر لے اور اُن کا کاروبار اگر سنبھال نہ سکے تو کم از کم اس میں اُن کا ہاتھ ہی بٹائے تو کافی ہے۔اُنھوں نے اُسے اچھے کالج میں داخل کیا تھا۔

لیکن اس کی کارکردگی مایوس کن ہی رہی۔ایک ہی کلاس میں دو دو تین تین سالوں کا قیام اس کا معمول بن گیا۔

جب وہ اُس کے بارے میں اپنے دوستوں سے بات کرتے تو دوست اُسے تسلّی دیتے تھے۔

"بچوں میں جب تک ذمہ داری کا احساس نہ ہو وہ دِل سے کوئی کام نہیں کر پاتے ہیں۔ہمارے بچوں کو پتہ ہے کہ پڑھنے کے بعد کچھ کر کے ہی وہ اپنا اور ہمارا پیٹ بھر پائیں گے۔اِس لئے وہ پڑھائی میں دھیان لگاتے ہیں۔عادل کے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہے، اُسے پتہ ہے کہ اُس کے باپ نے اُس کے لئے اتنا کمایا ہے کہ اُس کی سات پشتیں بھی بیٹھ

کر کھائیں گی۔اس لئے لا پرواہ ہو گیا ہے۔پڑھائی میں دھیان نہیں دیتا۔کاروبار میں لگا دو .... سب ٹھیک ہو جائے گا۔

لیکن اُنھیں عادل کو کاروبار میں لگانے کی نوبت نہیں آسکی۔

اِس دوران اُنھیں پتا چلا کہ عادل ڈرگس لیتا ہے اور نشے کا عادی ہو گیا ہے۔

کئی بار نشے کی وجہ سے یا نشہ نہ ملنے کی وجہ سے اس کی حالت خراب ہوئی۔

ڈاکٹروں کو بتایا گیا۔کئی بار اسے اسپتال میں داخل کیا گیا تھا۔لیکن ڈاکٹروں نے صاف جواب دے دیا تھا۔

"عادل نشے کی آخری حد پار کر چکا ہے، اُس سے نشہ چھڑانا بہت مشکل ہے۔اب اگر یہ کوشش کی گئی تو اُس کی زندگی کو خطرہ پیدا ہوسکتا ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایک دو بار مہنگے اسپتالوں میں رکھ کر عادل کے نشے کی لت چھڑانے کی کوشش کی گئی۔

جب تک وہ اسپتال میں رہا،نشے سے دُور رہا، لیکن گھر آتے ہی سب کی نظریں بچا کر آخر نشے کے اڈّے پر وہ پہنچ ہی گیا اور سارے کئے کرائے پر پانی پھیر گیا۔

وہ بڑی اُلجھن میں تھے۔

عادل پر توجہ دیتے تو کاروبار بدنظمی کا شکار ہوتا۔

کاروبار پر توجہ دیتے تو عادل کی حالت بگڑتی جاتی تھی۔

شاکرہ کو تو وہ بالکل خاطر میں نہیں لاتا تھا۔کئی بار وہ اُس پر ہاتھ اُٹھا کر جانوروں کی طرح مار چکا تھا۔یہ بات شاکرہ نے اُن سے چھپائی تھی۔نشے میں اُسے کچھ ہوش نہیں رہتا تھا۔کہ سامنے اُس کی ماں ہے یا باپ ہے۔اور نشہ نہ ملنے پر بھی وہ پاگل سا ہو جاتا تھا۔

شاکرہ سے وہ نشہ کے لئے پیسہ لیا کرتا تھا۔شاکرہ بھی ترس کھا کر اُس کو پیسے دے دیتی تھی۔کم سے کم نشے میں تو وہ سکون سے رہے، لیکن آخر وہ نشے کی آخری حد کو پہونچ گیا۔ نشہ حاصل کرنے کے لئے وہ اپنے آپ کو ناگ سے ڈسوانے لگا۔

ناگ سے ڈسوانے کے بعد ایک ماہ تک وہ بالکل نارمل رہتا۔ناگ کے زہر کا نشہ ایک ماہ تک اُسے مسرور رکھتا ہے لیکن زہر کا اثر ختم ہوتے ہی اُس کی حالت پاگلوں سی ہونے لگتی اور جب تک وہ اپنے آپ کو ناگ سے ڈسوا نہیں لیتا اُسے سکون نہیں ملتا تھا۔

اور خود کو ناگ سے ڈسوانے کے لئے وہ پانچ پانچ ہزار روپیہ تک دیتا تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پچھلی بار اُس نے جب خود کو ناگ سے ڈسوایا ہو گا اُسے شاید ایک ماہ ہو گیا ہو گا۔نشہ اُتر گیا تھا اِس لئے اُس کی حالت پاگلوں سی ہو رہی تھی .....

دو گھنٹے بعد انجکشن کا اثر ختم ہو گیا تھا۔

عادل پھر جاگ اُٹھا تھا اور اُس نے ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا۔

اُنھوں نے اُسے کمرے میں ہی بند کر کے رکھا۔

وہ جانتے تھے کہ اکیلا کمرے میں بند ہونے پر وہ اپنے آپ کو مار مار کر زخمی کر لے گا۔

لیکن اُسے کھلا چھوڑنا اُس سے بھی زیادہ خطرناک ہو گا۔وہ سویرا ہونے کی راہ دیکھنے لگے۔

دِن نکلتے ہی جیسے ہی اُنھوں نے عادل کے کمرے کا دروازہ کھولا، عادل اُن کا گلا دبانے کے لئے دوڑا۔

"عادل ... ! چلو ..... میں تمھیں ناگ سے ڈسوانے لے چلتا ہوں۔ "

یہ سنتے ہی عادل کا سارا غصہ، جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔

وہ اُسے کار میں بٹھا کر چل پڑے۔عادل اُنھیں راستہ بتاتا رہا۔

ایک جھونپڑپٹّی کے پاس تنگ و تاریک گلیوں سے ہو کر وہ ایک ٹوٹے جھونپڑے کے پاس پہونچے۔

"ارے عادل سیٹھ ! اِس بار لیٹ ہو گیا ؟ "

"چلو جلدی لاؤ ! مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا ہے۔"عادل چیخا۔

"پہلے مال نکال .... ! " وہ آدمی بولا۔عادل نے اُن کی طرف دیکھا۔اُنھوں نے پانچ ہزار روپے اُس آدمی کی طرف بڑھا دئے۔

وہ آدمی اندر گیا، واپس آیا تو اُس کے ہاتھ میں ایک سانپ کی پٹاری تھی۔عادل زبان باہر نکال کر کھڑا ہو گیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اُس آدمی نے پٹاری کا ڈھکن کھولا۔اُس میں سے ایک کالے ناگ نے پھن اُٹھایا، اُس نے چاروں طرف دیکھا اور پھر عادل کی زُبان پر ڈس لیا۔

اُن کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

عادل کے منہ سے بھی چیخ نکلی مگر یہ مسرت اور لذت بھری چیخ تھی، وہ سر سے پیر تک پسینے میں نہا گیا اور پھر لہراتا ہوا اُن کے ساتھ چل دیا۔

اُنھوں نے جاتے ہوئے مڑ کر اُس آدمی اور پٹاری کے ناگ کو دیکھا۔

جس کا زہر اُن کے بیٹے کے لئے تریاق تھا۔

۳۰ بچوں کی ماں

گھر سے نکلنے میں صرف ۱۰ منٹ کی تاخیر ہوئی تھی اور سارے معمولات بگڑ گئے تھے۔

اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اب وہ پورے ایک گھنٹہ تاخیر سے ڈیوٹی پر پہونچے گی اور اِس ایک گھنٹہ میں کیا کیا فسانے بن گئے ہوں گے، اُسے اِس بات کا اچھی طرح اندازہ تھا۔

سندھیا سے کسی بات کی توقع نہیں تھی کہ وہ کچھ ایسا کرے جس سے کوئی نئی کہانی نہ بن پائے۔

چنٹو نے رو رو کے پورا کمرہ سر پر اُٹھا رکھا ہو گا۔رونے کی وجہ سے اُس کی آنکھیں سُرخ ہو کر سوج گئی ہوں گی جو شام تک سوجی رہے گی۔

اُس کی آنکھوں کو دیکھتے ہی شوانی اُس پر برس پڑے گی۔

"آج پھر چنٹو کو رُلا دیا ؟ میں تم کو الگ سے پیسے کس بات کے دیتی ہوں ؟ اگر تم چنٹو کے ساتھ بھی عام بچوں کا سا سلوک کرو تو پھر عام بچوں میں اور چنٹو میں فرق کیا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے؟ میں تمہاری سسٹر سے شکایت کر دوں گی کہ تم مجھ سے الگ سے پچاس روپے لیتی ہو۔ "

دھمکی ایسی تھی کہ جس کے تصور سے ہی وہ کانپ اُٹھتی تھی۔

اگر سسٹر کو پتہ چلا کہ وہ شوانی اور دُوسری عورتوں سے بھی الگ سے پیسہ لیتی ہے تو وہ ایک لمحہ بھی اُسے کیئر ہوم میں رکھنے نہیں دے گی۔

اُس کی نوکری جاتی رہے گی۔اور نوکری چلی گئی تو .... ؟

اس تصور سے ہی اُس کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں اُبھر آئیں۔چنٹو کی عادت سی بن گئی تھی کہ وہ جیسے ہی ماں سے بچھڑتا تھا، دہاڑیں مار مار کر رونے لگتا تھا۔صرف اُسی کی گود میں بہل پاتا تھا۔

آج شوانی اُسے سندھیا کے پاس یہ سوچ کر چھوڑ گئی ہو گی کہ وہ تو تھوڑی دیر میں آ جائے گی اور روتے چنٹو کو بہلا لے گی۔

لیکن بدقسمتی سے وہ آج ایک گھنٹہ لیٹ پہونچ رہی ہے۔

تھوڑی دیر سے آنکھ کھلی جس کی وجہ سے گھر سے نکلنے میں دس منٹ لیٹ ہو گئی تھی جس کی وجہ سے جو بس اُسے ریلوے اسٹیشن تک لے جاتی تھی،چھوٹ گئی۔

دُوسری بس آنے میں ۱۵ منٹ لگ گئے۔

اسٹیشن پہونچی تو لوکل چھوٹ گئی تھی۔دُوسری ٹرین ۱۵۔۲۰ منٹ لیٹ آئی جو راستے میں دس منٹ لیٹ ہو گئی۔پھر ریلوے اسٹیشن سے کیئر ہوم کے لئے بس کا انتظار .....

ہر جگہ تاخیر .... تاخیر .... تاخیر !

اُسے پتا تھا اُس کے دیر سے آنے سے نہ تو سسٹر اُسے کچھ بولے گی اور نہ سندھیا۔

دونوں کو پتا تھا کہ وہ کافی دُور سے آتی ہے۔سات بجے ہوم پہونچنے کے لئے اُسے رات ساڑھے پانچ بجے گھر چھوڑنا پڑتا ہے۔اِس کے باوجود وہ کبھی کبھار ہی لیٹ ہوتی تھی۔اس

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں اِس کا عمل دخل نہیں ہوتا تھا۔لوکل یا بس لیٹ ہونے کی وجہ سے ہی تاخیر سے کیئر ہوم پہونچ پاتی تھی۔
اور پھر دِن بھر ۳۰ بچوں کی ماں بن کر اُن کا خیال رکھتی تھی۔کبھی کبھی تو بچوں میں اِتنی اُلجھ جاتی تھی کہ دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھا پاتی تھی۔
روزانہ کا یہ معمول تھا جب بھی وہ دوپہر کا کھانا کھاتی تھی۔ اُس کی گود میں کوئی نہ کوئی روتا ہوا بچہ ضرور ہوتا تھا۔وہ کھانا بھی کھاتی اور بہلاتی بھی۔
کیئر ہوم میں جتنے بھی گاہک تھے سب اُس سے خوش تھے۔ چھوٹے بچے تو زبان سے اِس کی خدمت کے بارے میں اپنے ماں باپ کو کہہ نہیں پاتے تھے۔لیکن جب وہ اُسے دیکھ کر ماں کی گود سے اُس کی طرف ہاتھ پھیلا کر مسکراتے، لپکتے تھے تو ماں باپ اندازہ لگا لیتے تھے وہ اُن کے بچوں کا کتنا خیال رکھتی ہے۔

ہاں بڑے بچے جو بول سکتے تھے وہ ماں باپ سے تعریف کرتے تھے۔
"رادھا آنٹی بہت اچھی ہیں ، ہم سے بہت پیار کرتی ہیں ، ہمارا بہت خیال رکھتی ہے، ہم سے بڑی اچھی اچھی باتیں کرتی ہیں۔ "
اِس وجہ سے گاہکوں میں اُس کی امیج بہت اچھی تھی۔
لیکن کبھی کبھی کوئی نہ کوئی ایسی بات ہو جاتی تھی جس کی وجہ سے اُس کی امیج کو دھکا پہونچنے کا خطرہ پیدا ہو جاتا تھا۔بلکہ اُسے اپنی نوکری بھی خطرے میں محسوس ہوتی تھی۔
اور نوکری خطرے میں پڑنے کے تصور سے ہی وہ کانپ اُٹھتی تھی۔
بوڑھے ماں باپ، دو جوان بہنیں اور دو نکمّے، آوارہ بھائیوں کی نگہداشت کا سارا بوجھ اُسی پر تھا۔سسٹر اُسے تنخواہ کے طور پر ۳ ہزار روپے دیتی تھی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اُسے اِس بات کا علم تھا کہ وہ اچھی سے اچھی غیر سرکاری نوکری بھی کرتی تو شاید اُسے اِتنی تنخواہ نہیں ملتی۔اِس کے علاوہ بچوں کے ماں باپ اُسے خوشی سے چالیس پچاس روپے ہر مہینہ دے دیتے تھے۔یہ سوچ کر کہ اِس لالچ سے شاید وہ اُن کے بچے کا اچھی طرح سے خیال رکھے گی۔

اس نوکری کے چھوٹ جانے کا مطلب تھا پھر سے ایک بار بے کاری کے غار میں بھٹکنا، ماں باپ کی جھڑکیاں ، بہنوں کے طعنے اور بھائیوں کی گالیاں سننا۔

گھر کے حالات کچھ ایسے ہو گئے تھے کہ اگر اُسے کسی کے گھر میں برتن مانجھنے کا کام بھی مل جاتا تو وہ بھی کرنے کے لئے تیّار ہو جاتی۔

اس کے مقابلے تو یہ کافی اچھا، مختلف اور آمدنی والا کام تھا۔ اُسے کیئر ہوم میں ۳۰ بچوں کی دیکھ بھال کرنی پڑتی تھی۔

شہر کی ایک بڑی سی رہائشی کالونی میں سسٹر روزی نے یہ چلڈرن کیئر ہوم جاری کر رکھا تھا۔

اِس کالونی میں زیادہ تر افراد نوکری پیشہ تھے۔ان میں سے کئی ایسے بھی تھے۔دونوں میاں بیوی نوکری کرتے تھے۔ان کے گھر میں بچوں کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں تھا۔

بچے دو ماہ سے لے کر دس سال تک تھے۔

اُن بچوں کو وہ کس کے سہارے اکیلے گھر میں چھوڑ کر دُور دراز کے علاقوں میں نوکری کے لئے جائیں ؟

پورے وقت کے لئے وہ نوکرانی نہیں رکھ سکتے تھے۔کیونکہ ایسے کاموں کے لئے نوکرانیاں اتنی تنخواہ کی مانگ کرتی تھیں جو اُن کی کل تنخواہ کے نصف سے بھی زائد ہوتی تھی۔

ایسے تمام نوکری پیشہ افراد کا وہ واحد سہارا سسٹر روزی کا چلڈرن کیئر ہوم تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مائیں اپنے بچے ڈیوٹی پر جاتے ہوئے کیئر ہوم میں چھوڑ جاتی تھیں اور شام کو ڈیوٹی سے واپس آتے ہوئے اُنھیں واپس اپنے گھروں کو لیکر جاتی تھیں۔

اِس طرح اس کیئر ہوم میں روزانہ سیکڑوں بچے آتے اور دِن بھر وہاں رُک کر شام کو واپس اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے۔

ان بچوں کی دیکھ بھال کے لئے سسٹر روزی نے کئی نوکرانیاں رکھی تھیں۔وہ بھی اُن میں سے ایک تھی۔اس کے ساتھ ساتھ سندھیا بھی تھی۔دونوں مل کر ۳۰ بچوں کا خیال رکھتی تھیں۔

سندھیا اور اُس میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

وہ ایک گریجویٹ، سلجھی ہوئی لڑکی تھی۔

لیکن سندھیا ایک جاہل، اُجڈ اور گنوارقسم کی عورت تھی۔

وہ سویرے ۷ بجے سے رات کے ۸۔۹ بجے تک ڈیوٹی دینے پر یقین رکھتی تھی، بچوں کا کس طرح خیال رکھا جائے اُس نے سیکھا نہ تھا اور نہ اُسنے سیکھنے کی ضرورت محسوس کی تھی۔

"ارے ! میں اپنے بچوں کا اِس طرح سے خیال نہیں رکھتی ہوں تو کیا اِن لوگوں کا خیال رکھوں۔اُن کے ماں باپ نے کیا اُنھیں ہمارے لے جنا۔پیدا کیا اُنھوں نے اور یہاں ہمارے پاس لا کر چھوڑ گئے۔"

"سندھیا تم اس کام کے پیسے بھی تو لیتی ہو ؟ "

"بی بی میں پیسے ان بچوں پر نظر رکھنے کے لیتی ہوں۔یہ کمرے کے باہر تو نہیں جا رہے ہیں۔کوئی اُنھیں اغوا کرنے کی کوشش تو نہیں کر رہا ہے ؟ رات دِن ان کی خدمت کرنے کے نہیں ؟ "

سندھیا کی باتوں اور حرکتوں سے اسے اُلجھن ہوتی تھی۔اسے سندھیا کی نہ تو کوئی بات پسند تھی اور نہ کوئی حرکت۔کبھی کبھی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دِل میں آتا تھا کہ وہ سسٹر سے اس کی شکایت کر دے یا پھر سسٹر سے کہہ کر سندھیا کے بدلے میں کسی اور کو اپنے معاون کے طور پر مانگ لے۔

مگر اس کا انجام کیا ہو گا اُسے اس بات کا اندازہ تھا۔

ار وہ سسٹر سے سندھیا کی شکایت کرتی تو سسٹر اُسے فوراً اُسے اِس کام سے نکال دیتی۔

یا وہ سندھیا کے بدلے میں کسی اور کو مانگ لیتی تو سندھیا جس کسی کے ساتھ رہتی اُس کی حرکتوں کی وجہ سے وہ سسٹر سے اُس کی شکایت ضرور کرتی اور سسٹر اُسے کام پر سے نکال دیتی۔

اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ سندھیا کی نوکری جائے۔

کیونکہ اُسے پتا تھا سندھیا بھی اُسی کی طرح بہت ضرورت مند ہے۔

اِسی نوکری پر اُس کا گھر چلتا تھا۔

اُس کا ایک آوارہ شرابی شوہر تھا جو کام نہیں کرتا تھا لیکن روزانہ شراب پینے کے لئے اُس سے لڑ جھگڑ کر پیسے ضرور لے جاتا تھا۔اُس کے چار بچے تھے۔سب سے چھوٹا لڑکا ۲ سال کا تھا۔وہ اُن سب کو اکیلا اپنے گھر چھوڑ کر آتی تھی۔ان سب کا خیال اس کی بڑی لڑکی رکھتی تھی۔جس کی عمر ۱۰سال کے قریب ہو گی۔

سندھیا کا اس نوکری سے نکال دیا جانا ان سب کے لئے بھکمری کا پیغام لے کر آتا۔اس لئے وہ سندھیا اور اس کی حرکتوں کو برداشت کئے جا رہی تھی۔

ان کے پاس جو ۳۰ بچے تھے ان میں سے تقریباً دس بچے ایک سال سے بھی کم عمر کے تھے۔چنٹو اور رنیتو صرف دو ماہ کے تھے۔دس بچے پانچ سال سے کم کے تھے باقی پانچ سال سے بڑے تھے۔

بڑے بچے ان کے لئے کوئی مسئلہ نہیں تھے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جب ان کے ماں باپ اُنھیں چھوڑ کر جاتے تھے تو ان کا اسکول کا بستہ ان کے ساتھ ہوتا تھا۔وہ بچے ایک کونے میں بیٹھ کر پڑھائی کیا کرتے تھے، جب ان کی اسکول کا وقت ہو جاتا تو وہ دونوں ان بچوں کو یونیفارم پہنا کر تیار کرتیں اور اسکول کی بس یا رکشا تک چھوڑ آتیں۔

ان میں سے کچھ بچے اسکول چھوٹنے کے بعد سیدھے گھر چلے جاتے تھے۔کیونکہ تب تک ان کے ماں باپ گھر واپس آ جاتے تھے۔کچھ بچے اسکول سے دوبارہ کیئر ہوم میں آ جاتے تھے۔کیونکہ ان کے ماں باپ دیر سے گھر آتے تھے۔ اِس لئے وہ ڈیوٹی سے آ کر اُنھیں کیئر ہوم سے لے کر جاتے تھے۔

پانچ سال کے بچے آپس میں یا پھر کمرے میں رکھے کھلونوں سے کھیلا کرتے تھے۔

سب سے بڑا مسئلہ ۲ ماہ سے ۱ سال کی عمر کے جو بچے تھے، ان کا تھا۔ایک ایک لمحہ ان کا خیال رکھنا پڑتا تھا۔اُنھیں وقت پر دُود ھ، دوائیں یا دُوسری چیزیں دینا۔پیشاب، پاخانے کی صورت میں اُن کے کپڑے تبدیل کرنا، رونے کی صورت میں اُنھیں بہلانا۔

پھر عام طور پر اس عمر کے بچے صرف ماں باپ سے ہی بہلتے ہیں۔ایک بار اگر رونا شروع کر دیں تو پھر اُنھیں بہلانا بہت مشکل ہوتا ہے۔

بڑے بچوں کو تو مار کے خوف سے چپ کرایا جاسکتا ہے۔ لیکن اِس عمر کے بچوں کے سامنے یہ ہتھیار بھی ناکارہ ثابت ہوتا تھا۔ایسی بچوں کا وہ ماں بن کر خیال تو رکھ سکتی تھی لیکن ماں نہیں بن سکتی تھی۔بچے ماں کے لمس سے ہی چپ ہو جاتے ہیں۔بھلے وہ اُنھیں لاکھ ماں سا لاڈ، پیار، دُلار

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دے لیکن ماں کا لمس کیسے دے سکتی تھی۔جس سے وہ آشنا تھے۔

اُسے پتا تھا اگر اس نے کسی بھی بچے کو سنبھالنے میں ذرا بھی لاپرواہی کی تو اِس کی سزا اسے ہی بھگتنی پڑے گی۔

راہیہ کو ہر ایک گھنٹے کے بعد دوا دینی پڑتی تھی۔اگر اس نے اسے باقاعدگی سے دوا نہیں دی تو وہ بیمار ہو جائے گی۔

راہیہ کی ماں صرف رات بھر اسے سنبھالے گی۔دُوسرے دِن وہ اس کے پاس چھوڑ کر جائے گی اور دُوسرے بچوں کے ساتھ بیمار راہیہ کو اسی کو سنبھالنا پڑے گا۔گوتم کو ہر ایک گھنٹے پر دُودھ دینا پڑتا تھا۔اگر اُسے دودھ نہ ملے تو وہ رو رو کر سارا کمرہ سر پر اُٹھا لیتا تھا۔اور اُسے روتا دیکھ کر دوسرے بچے بھی رونے لگتے تھے۔بچوں کو یہ عادت ہوتی ہے کہ اگر وہ کسی کو روتا ہوا دیکھتے ہیں تو خود بھی رونا شروع کر دیتے ہیں۔

اِس سے بہتر تھا کہ ۱۵۔۲۰ روتے ہوئے بچوں کو سنبھالنے کے بجائے گوتم نہ روئے اس بات کی ترکیب کی جائے۔

نِکیتا صرف ۸ مہینے کی ہے۔اس کا باپ اسے وہاں چھوڑ جاتا ہے۔اور اسے لینے کے لئے بھی آتا ہے۔اس کی ماں جب وہ ۵ مہینے کی تھی تو کسی کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔اب اس کا باپ ہی ماں بن کر اس کی پرورش کر رہا ہے۔

اشونی کی صرف ماں ہے۔اُس کے باپ نے کسی اور کے ساتھ دُوسری شادی کر لی ہے۔مجبوراً اپنا گھر چلانے کے لئے اس کی ماں کو نوکری کرنی پڑی۔وہ آٹھ مہینے کا ہے۔اس کی ماں اس کے پاس اشونی کو چھوڑ کر نوکری کرنے جاتی ہے۔

جب ماں باپ کیئر ہوم میں بچے چھوڑ کر جاتے ہیں تو ان کے لئے سیکڑوں ہدایتیں دے جاتے ہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"ہر دو گھنٹے کے بعد دُودھ پلاتی رہنا، دوا باقاعدگی سے دینا، اگر پاخانہ یا پیشاب کرے تو فوراً صاف کر دینا، زیادہ دیر کھلا رہنے سے اُسے سردی ہو جاتی ہے۔ڈاکٹر نے سختی سے منع کیا ہے تو بچے کو سردی نہیں ہونی چاہئے۔اس بار سردی ہوئی تو اسے نمونیہ ہونے کا ڈر ہے۔دوپہر کو کپڑے بدل کر کاجل پاؤڈر لگا دینا۔شام کو بچہ اچھی حالت میں ہونا چاہئے۔ اسے راہل سے دُور رکھنا، راہل بیمار ہے کہیں اس کی بیماری اسے نہ لگ جائے۔

چھوٹے بچوں کے لئے تو ہدایتیں تھیں۔بڑے بچوں کے لئے کوئی ہدایتیں نہیں ہوتی تھیں۔کیونکہ بچے خود ہدایت دیتے تھے۔

"ممی نے کہا ہے۔۱۱ بجے دوائی دیجئے گا۔ "

"ممی نے کہا ہے۔۱۰ بجے وہ چاکلیٹ کھا لینا جو اُنھوں نے دی ہے۔ "

"ممی نے کپڑے بدل کر نہلانے کے لئے کہا ہے۔ "

بچے خود فرمائش کرتے، ایسے بچوں کی فوراً فرمائش پوری کرنی پڑتی تھی۔نہ کرنے کی صورت میں وہ باپ سے شکایت کر دیتے، ماں باپ اُسے باتیں سناتے اور سسٹر روزی کو بھی شکایت کر دیتے اور اسے سسٹر روزی کی بھی باتیں سننی پڑتیں۔ان تمام خوف اور ڈر سے بے نیاز کوئی تھا تو وہ سندھیا۔

ہر بچے سے وہ پوچھتی۔

"اے آج ٹفن میں کیا لایا رے ؟ "

اگر بچے کے ٹفن میں کوئی اچھی چیز رہتی تو وہ اسے خود کھا جاتی تھی۔بچوں کے چاکلیٹ بسکٹ بھی آدھے سے زیادہ خود کھا لیتی تھی۔ذرا ذرا سی بات پر بچوں کو بری طرح مارتی تھی اور اُنھیں دھمکاتی بھی تھی۔اگر اُنھوں نے اپنے ماں باپ سے شکایت کی تو کل اس سے زیادہ مار پڑے گی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس دھمکی کے بعد بچے شکایت نہیں کرتے تھے۔اگر کسی نے کچھ کہہ دیا اور اسے باتیں سننی پڑتی تھی تو دُوسرے دِن اس بچے کو اس بری طرح مارتی تھی کہ وہ دوبارہ ایسی غلطی نہیں کرتا تھا۔

اُسے یہ سب اچھا نہیں لگتا تھا۔

اُس کی سوچ الگ تھی۔

اُسے ماں باپ کے دِلوں کا پتا تھا۔

ماں باپ اپنے بچوں کو ایک لمحہ کے لئے بھی کبھی جدا نہیں کرتے تھے۔اگر وہ جدا کرتے بھی ہیں تو ان کی کوئی نہ کوئی مجبوری ہوتی ہے۔جو ماں باپ اپنے بچوں کو ان کے پاس چھوڑ جاتے ہیں وہ سب مجبور ہیں۔پیٹ کی خاطر، روزی، روٹی کی خاطر وہ اتنا بڑا پتھر اپنے دِل پر رکھتے ہیں۔

ایسے میں ان ماں باپ کے جذبات سے کیوں کھیلا جائے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

سسٹر روزی ان بچوں کو سنبھالنے کے اسے پیسے دیتی ہے۔

پھر اپنے کام سے ایمانداری کیوں نہ برتی جائے۔بے ایمانی برت کر کیا حاصل ؟

اُس کی شادی نہیں ہوئی تھی۔

وہ ماں نہیں بنی تھی۔لیکن ان ۳۰ بچوں کو سنبھالتے ہوئے کب وہ ان ۳۰ بچوں کی ماں بن گئی تھی اسے بھی پتہ نہیں چل سکا تھا۔

دہشت کا ایک دِن

جب وہ گھر سے نکلا تو سب کچھ معمول کے مطابق چل رہا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بلڈنگ کا واچ مین اُسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور اُس نے اُسے سلام کیا۔اُس نے سر کے اِشارے سے اُس کے سلام کا جواب دیا۔آگے بڑھا تو ایس۔ٹی۔ڈی میں بیٹھے ساجد نے اُسے سلام کیا، خلاف معمول اُس دِن اُس کے پی۔سی۔او پر بہت زیادہ بھیڑ تھی اور زیروکس نکالنے والوں کی بھی قطار لگی تھی۔کلاسک آئیل ڈپو میں بیٹھے گڈو نے اُسے سلام کیا۔ اُن کے سلام کا جواب دیتا جب وہ سیڑھیوں سے نیچے اُترا۔ سامنے آلو پیاز والے دوکانداروں کی شاسا صورتیں دِکھائی دیں۔اور وہی رکشا، ہاتھ گاڑی، موٹر سائیکل، اسکوٹروں کی ریل پیل اور اُن کے ہارن کا شور اُن کے درمیان سے راستہ بناتا وہ بڑی مشکل سے آگے بڑھا۔

بسم اللہ چکن سینٹر پر چکن خریدنے کے لئے لوگوں کی قطار لگی تھی۔ایک تختی پر آج کا نرخ لکھا تھا۔لٹکتی تختی ہوا کے ساتھ گول گول گھوم رہی تھی۔

اُس کے سامنے والی چکن کی دُکان پر نرخ ایک روپیہ کم تھا۔ سدگرو ہوٹل کے باہر مٹھائی بنانے والا پیاز کے بھجیے تل رہا تھا۔بڑے سے طباق میں وہ جلیبیاں ، وڑے اور آلو کے پکوڑے پہلے ہی تل چکا تھا۔گلزار کولڈرنک میں اِکاّ دُکاّ گاہک بیٹھے مشروب کا مزہ لے رہے تھے۔

برف کی گاڑی آ گئی تھی، برف کی بڑی بڑی لادیاں اُس پر سے اُتاری جا رہی تھیں۔برف لینے والوں کی بھیڑ تھی۔جیسے ہی کوئی گاہک برف کی قیمت ادا کرتا، دو آدمی بڑی آہنی قینچی میں برف کی لادی پکڑ کر اُس کے رکشا میں رکھ آتے۔

ماموں ابوجی کی دوکان پر دُودھ لینے والوں کی بھیڑ لگی تھی۔ اُس کے سر پر دُودھ کے نرخ کی تختی ہوا سے گھوم رہی تھی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"۳ ! روپیہ پاؤ، ۱۱۰ روپیہ کا ایک کلو، تین روپیہ پاؤ، دس روپیہ ایک کلو۔"ٹماٹر فروخت کرنے والے زور زور سے آوازیں لگا رہے تھے۔

"بھائی السلام وعلیکم ! " آواز لگاتے، لگاتے انور اور شکیل نے حسب معمول اُسے سلام کیا۔سلام کا جواب دے کر خود کو بھیڑ کے دھکّوں اور نیچے کے کیچڑ سے بچاتا وہ آگے بڑھا۔

رکشہ کی قطار میں کھڑے عزیز ..... نے اُسے سلام کیا۔

آگے بڑھا تو پولس اسٹیشن کے باہر کئی سپاہی کھڑے تھے اور ایک سپاہی اُنھیں اُن کی ڈیوٹی کا ایریا بتا رہا تھا۔

"نمسکار صاحب ! " ایک کانسٹبل نے اُسے سلام کیا۔

"ارے پوتدار ! چلو۔"اُس نے جواب دیا۔

"نہیں آج میری ڈیوٹی نہیں ہے، شاید کوئی دُوسرا سپاہی آئے۔"سپاہی نے جواب دیا۔

مرچی والوں کی دُکان کے پاس سے گزرتے ہوئے اُسے کھانسی آ گئی۔اُس نے کھانسی پر قابو پایا اور آگے بڑھا۔سنگم جویلرس کی دوکان بھی کھل گئی تھی۔راج دیپ ہوٹل کے کاؤنٹر پر بیٹھے سندیپ نے اُسے نمسکار کیا اور باہر پوری بھاجی بنانے والے آدمی کو گالی دیتے ہوئے اُسے جلد آرڈر کا مال بنانے کے لئے کہا۔

سنیما کی گلی سے ہوتا وہ پوسٹ آفس تک آیا۔پوسٹ آفس کے باہر منی آرڈر، رجسٹر کرنے والوں کی بھیڑ تھی۔سعیدی ہوٹل کے باہر دوچار آوارہ لڑکے بیٹھے آنے جانے والوں کو چھیڑ رہے تھے اور آنے جانے والی عورتوں اور لڑکیوں پر بھدے فقرے کس رہے تھے۔

اُن سب سے گزر کر وہ وقت پر آفس پہونچ گیا اور آفس کے کاموں میں لگ گیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آفس میں اُس دِن زیادہ بھیڑ تھی، کام کا لوڈ بھی زیادہ تھا۔ایک، ایک آدمی کو نپٹاتے ہوئے کب دو تین گھنٹے گزر گئے پتا ہی نہیں چل سکا۔

اچانک اُس کے ایک ساتھی موہن کو اُس کے بھائی کا فون آیا۔

فون پر بات کرنے کے بعد جب اُس نے ریسیور رکھا تو اُس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

"کیا بات ہے ؟ " اُس نے موہن سے پوچھا۔

"بھائی کا فون تھا۔ناکے پر کسی وکیل کو گولی ماردی گئی ہے۔وہ جگہ پر ہی مر گیا۔شہر میں بھگدڑ مچ گئی ہے۔دوکانیں بند ہو رہی ہیں۔گڑ بڑ ہونے کا اندیشہ ہے،اُس نے کہا ہے کہ میں آفس سے آجاؤں۔"

یہ بات سن کر اُس کے ماتھے پر بھی شکنیں اُبھر آئیں۔اُس نے سوالیہ نظروں سے باس کی طرف دیکھا۔

"میں فون لگا کر تفصیلات معلوم کرتا ہوں۔"کہتے ہوئے باس نے ریسیور اُٹھایا۔

دو تین نمبر ڈائل کر کے جھلّا کر ریسیور رکھ دیا۔

"ٹیلی فون ڈیڈ ہو گیا ہے۔ "

تھوڑی دیر بعد پیون بھی واپس آگیا۔وہ کسی کام سے باہر گیا تھا۔

"کیا ہوا جادھو ؟ "اُس نے پوچھا۔

کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے پورے شہر میں بھگدڑ مچی ہوئی ہے۔کسی وکیل کو گولی مار دی گئی ہے۔دوکانیں بند ہو رہی ہیں ، لوگ اِدھر اُدھر بدحواسی سے بھاگ رہے ہیں۔پتا چلا ہے کہ رکشا اور گاڑیوں پر پتھراؤ کیا جا رہا ہے۔میری آنکھوں کے سامنے چار پانچ کانچ پھوٹی رکشا آئی۔سب سے زیادہ لفڑا نذرانہ کی طرف ہے۔ "

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"ندرانہ .... ! " یہ سنتے ہی باس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔میری بیٹی اِس وقت وہاں ٹیوشن کے لئے گئی ہو گی۔

اور وہ گھبرا کر پھر ریسیور اُٹھا کر ٹیلی فون ڈائل کرنے لگا۔ اتفاق سے ٹیلی فون لگ گیا۔

"مینا کہاں ہے ؟ " ٹیوشن کے لئے گئی ہے۔"ٹیوشن کا وقت تو ختم ہو گیا، وہ ابھی تک واپس کیوں نہیں آئی، سنا ہے اُس علاقے میں بہت گڑبڑ چل رہی ہے ؟ فوراً کسی کو بھیجو اور اُسے ٹیوشن کلاس سے لے آؤ۔"کہتے اُس نے ٹیلی فون کا ریسیور رکھ دیا۔لیکن اُس کے چہرے پر تفکّر کی شکنیں تھیں۔

اِس کے بعد اُس نے گھر ٹیلی فون لگا کر حالات معلوم کرنے کی کوشش کی تو ٹیلی فون ڈیڈ ہو چکا تھا۔آفس سے باہر جھانکا تو ساری دوکانیں بند ہو گئی تھیں ، سڑکیں سنسان

ہو گئی تھیں ، سڑکوں پر کوئی سواری دِکھائی نہیں دیتی تھی۔ لوگ دو دو چار چار کی ٹولیاں بنا کر آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

"کیا کیا جائے ؟ " اُس نے باس سے پوچھا۔"آفس بند کر دیا جائے۔ "

"بالکل بند کر دیا جائے جلدی سے باقی بچے کام نپٹا لیجئے۔" باس نے کہا اور پھر گھر فون لگانے کی کوشش کرنے لگا۔

"جادھو ! سامنے سے نسیم سے موبائیل لے کر آؤ۔شاید اُس سے رابطہ قائم ہوسکے۔"اُس نے پیون سے کہا۔

جادھو نے موبائیل فون نہیں لایا، خود نسیم موبائیل فون لے کر آگیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"صاحب سارے ٹیلی فون ڈیڈ ہو گئے ہیں ، میں بھی کئی جگہ فون لگانے کی کوشش کر رہا ہوں ، آپ کو کون سا نمبر لگانا ہے ؟ "

باس نے نمبر بتایا نسیم نے نمبر لگانے کی کوشش کی مگر نمبر نہیں لگا۔

"لگتا ہے سارے شہر کے ٹیلی فون بند کر دئے گے ہیں۔ "

سب کام ختم کرنے میں لگ گئے۔اُس نے دوچار بار گھر فون لگانے کی کوشش کی اتفاق سے ایک بار لگ گیا۔

"کیا صورتِ حال ہے ؟ " اُس نے پوچھا۔

"یہاں پر گڑبڑ ہے۔ساری دُکانیں بند ہو گئی ہیں۔سڑک کی دونوں طرف ہزاروں افراد کی بھیڑ ہے، جو ایک دُوسرے کے خلاف نعرے بازی کر رہے ہیں ، پتھراؤ بھی ہو رہا ہے معاملہ کبھی بھی بگڑ سکتا ہے۔ "

"میں گھر آؤں ؟ " اُس نے پوچھا۔

"گھر آنے کی حماقت بھول کر بھی نہیں کرنا۔سارے راستے بند ہیں ، راستوں پر لوگوں کی بھیڑ ہے اور جوش میں بھری بھیڑ کبھی بھی کچھ بھی کر سکتی ہے۔آپ جہاں ہیں وہیں رہیں۔جب حالات معمول پر آجائیں گے تو آجانا۔ ورنہ آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔آفس کے آس پاس آپ کے بہت دوست ہیں ، کسی کے پاس بھی رُک جائیے اور مجھ سے رابطہ قائم رکھئے۔"بیوی نے جواب دیا۔

اُس نے ریسیور نیچے رکھا۔

آفس بند کرنے کی تیاری ہو گئی تھی۔موہن کا بھائی اسکوٹر لے کر آگیا تھا۔

"چلو میں چلتا ہوں۔ "

"سنو۔"اُس نے کہا۔"پرانے پل کے راستے نہیں جانا،اُدھر خطرہ ہے۔ "

"نہیں میں پل کے راستے ہی آؤں گا۔"موہن نے کہا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

صاحب اور جادھو بھی آفس بند کر کے جانے کی تیّاری کر رہے تھے، اُن کے گھر آفس سے کافی قریب تھے۔

"تم کیا کرو گے ؟ " باس نے پوچھا۔

"بیوی کو فون کیا تھا، وہ کہتی ہے میں گھر واپس آنے کی حماقت نہ کروں۔سارے راستے بھیڑ سے بھرے ہیں ، لوگوں کے ہاتھوں میں ہتھیار ہے، پتھراؤ ہو رہا ہے، راستے میں کچھ بھی ہوسکتا ہے۔میں جن راستوں سے گزر کر گھر پہونچتا ہوں ، وہاں تو بہت زیادہ تناؤ ہے اور پھر اُن علاقوں کا ہر فرد مجھے پہچانتا ہے۔ذرا سی گڑبڑی کی صورت میں میری جان کو خطرہ پیدا ہوسکتا ہے۔ "

"تو میرے گھر چلو، جب حالات معمول پر آجائیں تو گھر چلے جانا۔"باس بولا

نہیں میں یہاں رُکتا ہوں۔اگر ضرورت پڑی تو آپ کے گھر آجاؤں گا۔"آفس بند کر دیا گیا۔باس اور جادھو چلے گئے۔وہ آفس کے سایے میں کھڑا ہو گیا۔

اُسی وقت سامنے سے مصطفیٰ آتا دِکھائی دیا۔

"مصطفیٰ کیا بات ہے ؟ " اُس نے پوچھا

"آپ کی طرف ہی آ رہا تھا جاوید بھائی ! پورے شہر میں گڑبڑ چل رہی ہے۔آپ کا گھر جانا ٹھیک نہیں ہے، چلئے میرے گھر چلئے۔رات میں بھی میرے گھر ہی رُک جانا۔میں نے بھابھی کو فون کیا تھا۔بھابھی نے کہا ہے کہ میں آپ کو گھر جانے نہ دوں۔اپنے گھر روک لوں۔وہاں بہت گڑبڑ ہے۔ "

وہ باتیں کرتا مصطفیٰ کے ساتھ اُس کے گھر چل دیا۔

"گڑبڑ شروع کیسے ہوئی ؟ "

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"پتہ نہیں ! وہ وکیل شہر کے چوراہے سے ہوتا کورٹ جا رہا تھا۔اچانک دو موٹر سائیکل سواروں نے اُسے روک کر اُس کے سر میں گولی مار دی، وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ہو گی کوئی پرانی دُشمنی یا گینگ وار کا چکّر۔وہ وکیل ویسے بھی اِس طرح کے کالے کارناموں میں ملوث تھا اور کافی بدنام تھا۔لیکن ایک سیاسی جماعت کے کیس کی پیروی بھی وہی کرتا تھا۔ اِس لئے اس جماعت نے اسے سیاسی اور پھر فرقہ ورانہ رنگ دے دیا۔دوکانیں بند کرانے لگے۔دوکانیں بند نہ کرنے والے دوکانداروں کو مارتے پیٹتے اور اُن کی دوکانوں پر پتھراؤ کرتے۔سامنے جو بھی رکشا آتی اُس کو روک کر اُس کے رکشا ڈرائیور کو مارتے، رکشا کی کانچ پھوڑ دیتے، اُسے اُلٹ کر آگ لگا دیتے۔خاص طور پر داڑھی والے ڈرائیورس کو نشانہ بناتے۔"غصے سے اُس نے اپنے ہونٹ بھینچے۔

یہ بھی کوئی طریقہ ہے، معاملہ معمولی سا ہے۔ذاتی دُشمنی یا کسی اور وجہ سے قتل ہوا ہو گا۔اُسے فوراً سیاسی اور فرقہ وارانہ رنگ دے کر شہر کا امن غارت کیا جائے اور شہریوں کی جان و مال سے کھیلا جائے۔

اُس نے مصطفیٰ کے گھر دوپہر کا کھانا کھایا۔

اور دوبارہ گھر فون لگانے کی کوشش کی، لیکن فون بند ہونے کی وجہ سے رابطہ قائم نہیں ہوسکا۔

ایک گھنٹے بعد اچانک رابطہ قائم ہو گیا۔

"یہاں بہت گڑبڑ ہے۔"بیوی بتانے لگی۔"ہم بلڈنگ کے ٹیرس پر گئے تھے، آس پاس ہزاروں لوگ جمع ہیں۔وہ حملہ کرنے کی تیاریوں میں ہیں۔سامنے والی مسجد پر پتھراؤ ہو رہا ہے۔اسلامی ہوٹل پر پتھراؤ کیا گیا تھا اور اُسے لوٹنے کی کوشش کی گئی تھی۔لیکن اُس ہوٹل کی گلی میں ہزاروں لڑکے جمع ہو گئے تھے۔اُنھوں نے جوابی پتھراؤ کیا تو حملہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آور بھاگ گئے۔لیکن دونوں طرف سے سخت نعرے بازی جاری ہے اور پتھراؤ بھی ہو رہا ہے۔حالات کبھی بھی بگڑ سکتے ہیں۔آپ اِس طرف آنے کی قطعی حماقت مت کیجئے۔رات میں بھی مصطفیٰ کے گھر ہی رُک جائیے۔ "

"دیکھو اگر بلڈنگ کو خطرہ محسوس ہو تو تم بچوں کو لے کر اپنے میکے چلی جانا۔ "

"ویسے تو بلڈنگ کو خطرہ نہیں ہے لیکن جس طرح سامنے لوگ جمع ہیں ، کبھی بھی کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ایسا کچھ ہوا تو میں اس سے پہلے ہی بچوں کو لے کر میکے چلی جاؤں گی۔"

بیوی نے جواب دیا۔

بیوی کا میکہ زیادہ دُور نہیں تھا اور وہ گھر سے نسبتاً محفوظ راستوں پر تھا۔اِس لئے اُسے اِس بات کا اطمینان تھا۔بیوی بچوں کو لے کر آرام سے میکے پہونچ جائے گی جو کافی محفوظ علاقہ ہے۔لیکن اپنے گھر کا کیا ؟

کچھ گڑبڑ ہوئی تو اُسے لٹنے اور جلنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔اُنھیں وہ مکان لئے آٹھ مہینے بھی نہیں ہوئے تھے۔ ساری زندگی کی کمائی، زیورات اور بینک کا قرض لگا کر اُنھوں نے وہ مکان لیا تھا اور دھیرے دھیرے اُس میں ضرورت کی ہر چیز سجایا تھا۔اگر وہ لوٹ لیا گیا یا جلا دیا گیا تو ؟

اُس کا دِل تیزی سے دھڑکنے لگا اور ماتھے پر پسینے کو بوندیں اُبھر آئیں ، مصطفیٰ نے ٹی وی لگایا۔

ٹی وی کے ہر چینل پر شہر میں ہونے والے ہنگاموں کی خبریں آ رہی تھی۔شہر میں ایک وکیل کے قتل کے بعد ایک سیاسی پارٹی کے ورکروں کا شہر میں ہنگامہ، پتھراؤ اور توڑ پھوڑ۔

پہلے اُس وکیل کا تعلق اس سیاسی پارٹی سے اس حد تک بتایا گیا کہ وہ اس پارٹی،جماعت،کے کیسوں کی پیروی کرتا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پھر خبروں میں اُس وکیل کو اِس سیاسی جماعت کا ورکر بتایا گیا۔

اور آخر میں اُسے اسی سیاسی جماعت کا صدر بنا دیا گیا۔

"ایک سیاسی جماعت کے صدر وکیل کے قتل کے بعد شہر میں سخت تناؤ، پتھراؤ کی وارداتیں ، دُکانیں لوٹنے، چھرے بازی کی وارداتیں۔امول کاٹیکر نامی ایک شخص کو ایک ہجوم نے مار مار کر اَدھ مرا کر دیا۔شری پرووِژن نامی دوکان جلادی گئی،مہادیو میڈیکل لوٹ لی گئی۔"جیسی خبریں ہر چینل دینے لگا اور تناؤ اور تشدد میں اضافہ کرنے لگا۔

حالات سنگین ہوتے جا رہے تھے۔اُس کا دِل ڈوب رہا تھا۔ اُسے لگا شہر بارُود کا ڈھیر بن چکا ہے اور اب وہ پھٹا ہی چاہتا تھا۔آنکھوں کے سامنے گجرات کے فسادات کے واقعات اور خبریں گھوم رہی تھیں۔لوگوں کو زندہ جلایا جانا،

چن چن کر لوگوں کو مارنا، اُن کی اِملاک تباہ و برباد کرنا، اُن کے مکانوں ، عبادت گاہوں کو مندروں میں تبدیل کرنا۔

اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا، اگر ایسا ہی کچھ یہاں بھی شروع ہو گیا تو اس سے زیادہ خوفناک واقعات یہاں پیش آسکتے ہیں۔ممکن ہے کچھ لوگ گجرات کا اِعادہ کرنا چاہیں تو کچھ گجرات کا بدلہ لینا چاہیں۔دونوں صورتوں میں جو کچھ ہوسکتاہے اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اُس کا دِل ڈوبنے لگا اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھانے لگا۔کیا یہی ہمارا مقدر بن گیا ہے ؟

باہر لوگوں کی بھیڑ ٹولیوں کی شکل میں جگہ جگہ جمع تھی۔ہر کوئی پلان بنا رہا تھا۔اگر فساد شروع ہو گیا تو کیا کیا جائے۔ کچھ بچاؤ کی ترکیبیں سوچ رہے تھے۔تو کچھ لوٹ مار کا پلان بنا رہے تھے۔تو کچھ جوابی کاروائی اور حملہ کی منصوبہ بندی کر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رہے تھے۔جو لوگ اس جگہ کو غیر محفوظ سمجھ رہے تھے وہ اس جگہ کو چھوڑ کر محفوظ علاقوں کی طرف جا رہے تھے۔

کچھ جگہوں پر پولس کا نام و نشان بھی نہیں تھا اور کچھ جگہوں کو پولس چھاؤنی میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ایسا کچھ لوگوں کی حفاظت کے لئے کیا گیا تھا۔تو کچھ علاقوں کے لوگوں کو پوری طرح آزاد چھوڑ دیا گیا تھا، وہ جو چاہے کر سکتے ہیں ، اُن کو روکنے والا کوئی نہیں ہے۔تو کچھ علاقوں کو اِس طرح سیل کر دیا گیا تھا کہ ان مقاموں پر پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا ہے اور وہ کچھ نہیں کر سکتے ہیں۔

شہر سے ناخوش گوار واقعات کی خبریں آ رہی تھیں۔

ہر خبر کے بعد ایسا محسوں ہوتا تھا جیسے حالات سنگین سے سنگین ہوتے جا رہے ہیں۔تناؤ اور تشدد جاری ہے۔اُس نے کئی بار گھر فون لگانے کی کوشش کی لیکن رابطہ قائم نہیں ہوسکا جس کی وجہ سے اُس کی تشویش بڑھتی جا رہی تھی۔بیوی

گھر میں اکیلی ہے، اُسے میکے جانے کے لئے کہا تھا۔پتا نہیں وہ میکے گئی بھی یا نہیں ، اُسے میکے چلے جانا چاہئے، لیکن وہ جائے گی نہیں ، اُس کی جان اُس کے گھر میں اٹکی ہے۔

اِتنی مشکلوں ،اور مصیبتوں سے اُنھوں نے اپنا گھر بنایا تھا، گھر کی ایک ایک چیز میں اپنا خون پسینہ لگایا تھا۔گھر کی ہر اینٹ میں اُن کے ارمان، خواب چنے ہوئے تھے۔بھلا وہ اِس گھر کو چھوڑ کر جاسکتی ہے ؟ اُسے ڈر ہو گا کہ اُس کے سارے یہ ارمان، خواب جلا کر راکھ نہ کر دئے جائیں۔

لیکن اگر وہ ایسا سوچ رہی ہو گی تو وہ بے وقوف ہے اگر وہ گھر میں رہی تو نہ گھر کو بچا سکے گی اور نہ اپنے آپ کو نہ اپنے بچوں کو۔

ایک اکیلی کمزور عورت بھلا کس طرح اپنے آپ کو بچا سکتی ہے۔ہزاروں واقعات اس کے ذہن میں گردِش کر رہے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھے۔ایسی عورتوں کو ہوس کا شکار بنا کر زندہ جلا دیا گیا بچوں کو سنگینوں اور ترشول سے چھید کر جلا دیا گیا۔

"نہیں ..... ! " بے ساختہ اُس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

"کیا ہوا ؟ " مصطفیٰ نے چونک کر اُس سے پوچھا۔

"کچھ نہیں ، ایک بھیانک خواب دیکھ رہا تھا۔ "

"جاگتے ہوئے بھی ؟ " مصطفیٰ مسکرایا۔

"جو کچھ ہو رہا ہے، وہ بھیانک خواب سے بھی بدتر ہے۔ایسے میں جاگنا اور سوناسب برابر ہے۔"اُس نے کہا۔

مصطفیٰ اُس کی بات کو سمجھ نہیں سکا۔

شام کو اُس نے طے کیا کہ وہ تھوڑی دُور تک حالات کا جائزہ لے کر آئے گا۔

مصطفیٰ نے اُسے ایسا کرنے سے روکا کہ وہ گھر جانے کی حماقت بھری کوشش نے کرے۔لیکن اُس نے اُسے یقین دِلایا کہ وہ گھر جانے کی کوشش نہیں کرے گا۔

تھوڑی دُور گیا تو اُسے ایک شناسا مل گیا۔

"جاوید بھائی ! گھر جانے کی آپ کوشش نہ کریں۔اس میں بہت خطرہ ہے۔آپ کا گھر جن راستوں پر ہے وہ خطروں سے بھرے ہیں ، بہتر ہے کہ آپ رات یہاں ہی رُک جائیے۔ویسے تو حالات معمول پر آ گئے ہیں لیکن کچھ کہا نہیں جاسکتا کب کیا ہو جائے۔ "

"نہیں ! میں گھر جانا نہیں چاہتا ہوں بس یوں ہی تھوڑی دُور تک ٹہل کر واپس آ جاؤں گا۔ "

"ویسے اگر آپ محفوظ راستوں سے گھر جانا چاہیں تو جاسکتے ہیں۔ان راستوں پر کوئی خطرہ نہیں ہے۔آئیے میں آپ کو گھر چھوڑ دوں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اُس نے موٹر سائیکل پر بٹھایا اور محفوظ راستوں سے وہ گزرنے لگے۔ان راستوں اور محلوں سے گزرتے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہاں بہت کچھ ہوا ہے۔سیاسی لیڈر اور بزرگ بھیڑ کو سمجھا کر روکنے کی کوشش کر رہے تھے۔

گھر کے قریب پہونچا تو پیچھے والی گلی ہزاروں لوگوں سے بھری تھی۔جنھیں دو لیڈران سمجھا کر خود پر قابو رکھنے کے لئے کہہ رہے تھے۔

گھر آیا تو بیوی بھڑک اُٹھی۔

"اِتنا سمجھانے کے بعد بھی آپ نہیں مانے ؟ جان خطرے میں ڈال کر چلے آئے۔ "

"نہیں ، ایک پہچان والا مل گیا تھا اُس نے محفوظ راستوں سے موٹر سائیکل پر لا کر چھوڑا۔ "

رات تک حالات معمول پر آ گئے تھے۔

یہ طے تھا رات دہشت اور تناؤ میں گزرے گی۔

لیکن دہشت کا ایک دِن تو بیت گیا تھا۔

قاتلوں کے درمیان

ہوش میں آنے کے باوجود اُسے احساس نہیں ہوسکا کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں ؟

آنکھوں کے سامنے تاریکی چھائی ہوئی تھی اور سارا جسم درد سے بھرا پھوڑا محسوس ہو رہا تھا۔ایسا لگ رہا تھا جیسے سارا جسم پٹیوں سے جکڑا ہے۔آنکھوں پر بھی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔وہ آنکھیں کھولنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن آنکھیں کھولنے میں کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا۔اکثر ایسا محسوس بھی ہوتا کہ آنکھیں کھل گئیں تو بھی آنکھوں کے سامنے تاریکی چھائی رہتی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ تاریکی نہ تو زندگی کی دلیل تھی اور نہ ہی موت کی علامت ..... ! اگر وہ زندہ تھا تو پھر یہ چاروں طرف تاریکی کیوں چھائی ہے ؟ اور اگر مر چکا ہے تو اُس کے جسم میں احساس کیوں زندہ ہے ؟ اُسے کیوں محسوس ہو رہا ہے کہ اُس کا سارا جسم دہکتا ہوا انگارا بنا ہوا ہے۔اور سارا جسم پٹیوں سے ڈھکا ہے۔

اُسے علم تھا کہ وہ مر چکا ہے۔

اِتنا مار کھانے کے بعد اُس کا زندہ رہنا نا ممکن تھا۔

چار پانچ سو لوگوں کے مجمع نے اُسے جانوروں کی طرح مارا تھا۔اُس پر لاتوں ، گھونسوں سے وار تو کئے تھے ساتھ ہی ساتھ اپنے ہتھیار بھی آزمائے تھے۔

ترشولوں سے اُس کے جسم کو کئی جگہ چھیدا گیا تھا۔خنجر اُس کے جسم میں اُتارے گئے تھے۔لاٹھی، ہاکی سے اُس کے سر پر وار کئے گئے تھے۔اُس کے زمین پر گرنے کے بعد مجمع

اُسے اپنے پیروں سے کچل رہا تھا۔اِس کے بعد اُس کا زندہ رہنا تو نا ممکن ہی تھا۔

لیکن پھر بھی !اِس کے جسم میں احساس جاگا تھا، اُس کا ذہن کام کرنے لگا تھا۔وہ مر گیا ہوتا۔وہ سوچ رہا تھا اور اِس وقت وہ قبر میں ہے، یہ قبر کی تاریکی ہے اور اُس کا جسم جو دُکھ رہا ہے یہ منکر نکیر کے گرجو کی مار کی وجہ سے دُکھ رہا ہے، وہ مسلمان ہے اپنے آپ کو وہ نیک مسلمان مانتا ہی نہیں ہے۔ہفتہ میں ایک بار صرف جمعہ کو نماز پڑھتا تھا، رمضان میں کچھ روزے رکھ لیتا تھا اور کبھی کبھی قرآن کریم کی تلاوت کر لیتا تھا۔ہاں اُس کے دل میں ایمان ضرور تھا کہ وہ مسلمان ہے لیکن صرف اِس بنیاد پر اُسے قبر کے عذاب سے نجات مل جائے گی، اِس بات کا یقین تو اُسے بھی نہیں تھا۔اس لئے ہوش میں آنے کے بعد وہ خود کو قبر میں محسوس کرنے لگا۔لیکن اِس کے پاس سے جو آوازیں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بلند ہو رہی تھیں اُسے اِس بات کا احساس دلا رہی تھی کہ وہ قبر میں نہیں ہے۔چاروں طرف سے لوگوں کی کراہوں ، چیخوں کا شور اُبھر رہا تھا۔"ڈاکٹر صاحب میں مرا، میرا سارا جسم دُکھ رہا ہے، یہ درد مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا ہے، ڈاکٹر صاحب آپ نے مجھے کیوں بچا لیا ہے، مجھے بھی مرنے دیتے، اب میرا دُنیا میں کوئی بھی نہیں بچا، میں جی کر کیا کروں گا، کس کے لئے جیوں گا ؟

"ڈاکٹر صاحب ! بیڈ نمبر ۳۴ کے مریض کی حالت بہت خراب ہے ..... ! ڈاکٹر صاحب ! یہ کیا ہو رہا ہے، لوگ زندگی اور موت کی کش مکش میں مبتلا ہیں ، ایک ایک سانس کے لئے لڑ رہے ہیں اور آپ اُن پر توجہ دینے کی بجائے نرسوں سے خوش گپیّوں میں لگے ہوئے ہیں ؟ " یہ آوازیں قبر سے نہیں اُٹھ سکتی تھیں۔حلق میں کانٹے سے پڑے ہوئے تھے اور ہونٹوں پر پپڑیاں جمی تھیں۔بڑی

مشکل سے اُس نے اپنی گیلی زبان سے ہونٹوں کو، تھوڑا سا تھوک نگل کر اپنے حلق کو تر کرنے کی کوشش کی۔

"مَیں ..... کہاں ..... ہوں ؟

بڑی مشکل سے اُس کے ہونٹوں سے تین لفظ نکل پائے۔

"تم اسپتال میں ہو اور پورے چار دِنوں کے بعد تمہیں ہوش آیا ہے۔"اُس کے قریب سے ایک نسوانی آواز اُبھری۔اِس ایک آواز کے ساتھ ہی طوفانی رفتار سے اُس کے ذہن نے سب کچھ سوچ کر سارے حالات کا اندازہ لگا لیا۔تو وہ زندہ بچ گیا ہے۔معجزہ ..... ! اِتنا ہونے کے بعد تو وہ زندہ بچ ہی نہیں سکتا تھا۔پھر بھی زندہ بچ گیا ہے، یہ معجزہ ہے۔اور اِس وقت اسپتال میں ہے شاید صحیح وقت پر وہ اسپتال میں پہونچ گیا اِس لئے زندہ ہے۔

"مگر مَیں یہاں کیسے آیا ؟ "

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"تُم اِن ہزاروں لوگوں میں سے ایک جو شہر کے مختلف اسپتالوں میں اِسی حالت میں آئے تھے اور زندہ بچ گئے۔ تمہارا سارا جسم زخموں سے بھرا ہے چہرے پر بھی گہرے زخم ہیں اِس لئے ہم نے تمہارا سارا جسم پٹیوں سے ڈھانک دیا ہے اور چہرہ بھی پٹیوں سے باندھ دیا ہے، تمہاری آنکھیں سلامت ہیں یا نہیں یہ تو پٹیاں کھلنے کے بعد ہی معلوم ہو گا۔ "

"مجھے کچھ دِکھائی نہیں دے رہا ہے، گہری تاریکی ہے۔ کبھی کبھی ہلکی سی سُرخی لہرا جاتی ہے یا پھر ایک دودھیا روشنی۔ "

"مبارک ہو، اِس کا مطلب ہے تمہاری آنکھیں سلامت ہیں۔ تمہارے زخم بھی بڑی تیزی سے بھر رہے ہیں۔ بھگوان نے چاہا تو تم بہت جلد اچھے ہو جاؤ گے۔"

نرس کی بات سن کر اُس کے اندر پھر سے جینے کی ایک نئی آرزو جاگ اُٹھی، وہ مرا نہیں ، وہ زندہ ہے۔شاید اُس کی

آنکھیں بھی سلامت ہیں ، جسم کے زخم بھی اچھے ہو رہے ہیں۔وہ بہت جلد اچھا ہو جائے گا، چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے گا اور اپنے گھر جاسکے گا۔

"گھر " اِس بارے میں سوچ کر وہ اور اُداس ہو گیا۔ گھر اب کہاں بچا ہے۔وہ تو اِس کی آنکھوں کے سامنے جل کر راکھ ہو گیا تھا۔گھر کا کوئی بھی فرد بھی تو نہیں بچا تھا۔اُس نے اپنی آنکھوں سے اپنے ہی گھر کی چتا میں اپنی بیوی بچوں کو جلتے دیکھا تھا۔اُس نے آگ میں لپٹی اپنی بیوی کی آخری چیخ اپنے کانوں سے سنی تھی۔جلتی آگ سے نکل کر وہ آگ سے باہر آنے کی کوشش کر رہی تھی اور جلتے گھر کے گرد بھیڑ نے جو گھیرا بنا رکھا تھا اُن کے ہاتھوں کی لکڑیاں ، ترشول، بھالے بیوی کو دوبارہ آگ میں دھکیل رہے تھے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ماحول میں انسانی جسموں کے جلنے کی سر پھاڑ دینے والی بدبو تھی۔اِس بدبو میں شاید اُس کے بچوں کے جسم کی بدبو بھی شامل تھی۔وہ اُس سے زیادہ نہیں دیکھ سکا تھا کیونکہ کسی کی نظر اُس پر پڑی تھی۔

"ارے ..... ! یہ یہاں کس طرح پہونچ گیا، یہ کیسے زندہ بچ گیا ؟ مارو ..... اِسے مارو۔اُسے دیکھ کر کوئی چیخا تھا اور اُس کے بعد پورا مجمع اُس پر ٹوٹ پڑا تھا۔

اُسے اپنے گھر والوں اور گھر کے بچنے کی آس تو قطعی نہیں تھی۔جو منظر اُس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اُس کے بعد تو اُسے یقین ہو رہا تھا کہ پورا محلہ نہیں بچا ہو گا۔پورے محلے میں نہ تو کوئی گھر باقی بچا ہو گا اور نہ کسی گھر کا کوئی مکیں۔وہ زندہ تو بچ گیا یہ معجزہ تھا ..... کیوں نہ وہ گھر سے باہر چلا گیا تھا ..... اگر وہ گھر میں

ہوتا تو زندہ جل کر راکھ بن جاتا۔ویسے اُسی دن بیوی اُسے باہر جانے سے روک رہی تھی۔

"گھر سے باہر مت جاؤ۔۵۸ لوگوں کو زندہ جلانے کے احتجاج میں شہر بند ہے، بند کے دوران کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ "

"بند، بند کی طرح ختم ہو جائے گا۔دوکانیں وغیرہ بند رہیں گی، لوگ اِدھر اُدھر بیٹھ کر باتیں کریں گے اور دن گزر جائے گا۔لیکن ہماری روزی کا کیا ہو گا۔اگر میں کام پر نہیں گیا تو کل ہمارے گھر چولہا نہیں جلے گا۔پھر بھی تم فکر مت کرو، اگر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ خطرہ ہے تو میں واپس گھر آ جاؤں گا۔"اور وہ کام کی تلاش میں گھر سے نکل پڑا تھا۔

ایک دو گھنٹے کے بعد جب اُسے کوئی کام نہیں ملا تو اُسے محسوس ہوا، اُس نے گھر سے نکل کر غلطی کی ہے۔پورا شہر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بند تھا اور ہزاروں لوگ سڑکوں پر تھے۔ایسے میں کوئی کام ملنے سے تو رہا۔اِس کے بعد اُسے شہر کے آسمان پر کالے کالے دھوئیں کو دیکھ کر اُس کا دل دھڑک اُٹھا۔ابھی صورتِ حال کا اُس نے اندازہ نہیں لگایا تھا۔جو مناظر اُس نے دیکھے تھے اُن سے وہ ڈر گیا تھا۔

سینکڑوں کا مجمع ٹولیاں بنا بنا کر سڑکوں پر گشت کر رہا تھا۔وہ ہتھیاروں سے لیس تھے جس دوکان کو چاہتے توڑ کر اُسے نذرِ آتش کر دیتے۔جس کسی آدمی کو چاہتے اُس پر ٹوٹ پڑتے اور ایک لمحہ میں اُسے مار کر جلتی ہوئی آگ میں جھونک دیتے۔

گھر جل رہے تھے۔دوکانیں لوٹی اور جلائی جا رہی تھیں۔لاشیں گر رہی تھیں لوگ جانیں بچا کر

بھاگ رہے تھے۔قاتل ان کلا تعاقب کر رہے تھے۔اور بھاگتے لوگوں کو گھیر کر قتل کر رہے تھے۔جو مزاحمت

کرتے اس کی مزاحمت کا جواب دیتے اور پھر اس کی لاش کے چیتھڑے اڑا دیتے۔

ایسا لگتا جیسے جنگل راج آگیا تھا۔ہر فرد وحشی درندہ بن گیا تھا اور ایسی حرکتیں کر رہا تھا جو وحشی درندے بھی نہیں کر سکتے ہیں۔ایسے ایسے مناظر سامنے دکھائی دے رہے تھے جو آج تک نہ فلموں ،یا ٹی وی پر دیکھے تھے اور نہ ہی کتابوں میں پڑھے تھے۔

"یا اللہ۔۔۔۔۔۔۔یہاں یہ حال ہے۔تو میرے محلے کا کیا حال ہو گا؟ میرے بیوی، بچے کس حال میں ہوں گے ؟ تو ہم پر رحم کر، انھیں محفوظ رکھ۔"

سوچتا ہوا۔وہ قاتلوں ، وحشیوں کے درمیان سے خود کو بچاتا اپنے محلے کی طرف بھاگا۔

بھیڑ وحشیانہ نعرے لگا رہی تھی۔

"مارو۔کاٹو۔کوئی بھی زندہ نہ بچنے پائے۔"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

.خون کا بدلہ خون۔ان کا نام و نشان زمین سے مٹا ڈالو۔

اپنی طاقت بتا دو۔ایک ایک کے بدلے ہزار ہزار کی جان لو۔

ان وحشیوں سے بچتا وہ کسی طرح اپنے محلے میں آیا تو وہ بھی اس کی آنکھوں کے سامنے وہی منظر تھے جو راستہ بھر وہ دیکھتا ہوا آیا تھا۔

پورے محلے میں وہی وحشیوں کا ننگا ناچ چل رہا تھا۔

مجمع میں شامل وہ ایک ایک فرد کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

اس مجمع کے ایک ایک فرد کو وہ اچھی طرح پہچانتا تھا۔

سیاسی ورکر تھے،سیاسی لیڈر،مذہبی رہنما،کٹّر مذہب پرست،عام آدمی سبھی تواس مجمع میں شامل تھے۔اور وہ وحشت بربریت کا ننگا ناچ ناچ رہے تھے۔مظلوم مدد کے لیے پکار رہے تھے۔

لیکن کوئی بھی ان کی مدد کو آگے نہیں بڑھ رہا تھا۔چپ چاپ کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے۔بربریت کا ایسا تماشہ جسکا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔لیکن بڑے اطمینان سے وہ اس

بربریت دیکھ رہے تھے۔ایسا لگتا تھا کہ یہ کوئی جانور وحشی درندہ بن گیا ہے۔کسی میں بھی ذرا سی بھی انسانیت باقی نہیں تھی۔

اگر ذرا سی بھی انسانیت باقی ہوتی تو وہ اسکے خلاف احتجاج کرتا،وحشیوں کو ایسا کرنے سے روکتا یا کم سے کم ان مناظر کو دیکھ کر اپنی آنکھیں پھیر لیتا۔

اس سے آگے نہ تو وہ کچھ سوچ سکا اور نہ ہی کچھ دیکھ سکا۔

کسی کی نظر اس پر پڑی اور وہ اس کا نام لیکر چیخی۔اور پھر ان وحشیوں کا پورا مجمع اس پر ٹوٹ پڑا۔اس کے بعد نہ تو کسی کے زندہ رہنے کی توقع کی جاسکتی ہے نہ آس لگائی جاسکتی ہے۔

"نرس ! نوٹیا کا کیا حال ہے۔"اُس نے نرس سے پوچھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"تم اُس محلے میں رہتے تھے ؟ ہے بھگوان ..... ! وہاں تو بہت برا حال ہے، وہاں پر ۱۱۰ لوگوں کو زندہ جلا یا گیا ہے اور پورا محلہ جلا کر خاک کر دیا گیا ہے۔ "

نرس کی باتیں سن کر اُس کی پٹیوں میں چھپی آنکھیں بند ہو گئیں۔

نرس کی اِس بات سے اُس کی آخری اُمید بھی ٹوٹ گئی تھی۔ اِس کے بعد اُسے اپنے محلے اور گھر والوں کے بارے میں سوچنے کے لئے کچھ بھی نہیں بچا تھا۔

دس دنوں بعد وہ بستر پر اُٹھ کر بیٹھنے کے قابل ہو گیا۔ آنکھوں کی پٹیاں کھل گئی تھیں وہ اچھی طرح سب کچھ دیکھ سکتا تھا۔اُس کا پورا چہرہ زخموں سے بھرا تھا، سارا جسم زخموں سے چور تھا لیکن زخم بھرنے لگے تھے۔صرف جو گہرے زخم تھے اُن میں رُک رُک کر ہلکی ہلکی ٹیس اُٹھتی رہتی تھی۔

اِس دوران ہزاروں کہانیاں اُس نے سنی تھیں۔وہ کہانیاں اُس بربریت سے بھی زیادہ ہولناک تھیں جو اُس نے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔

اسپتال میں اُس کی طرح سینکڑوں افراد تھے۔ادھ مرے، زندگی کی چاہ میں زندگی سے جنگ کرتے، دل میں جینے کی آرزو لئے، یہ درد کو سہنے کی کوشش کرتے لوگ۔ہر کسی کی کہانی اُس سے ملتی جلتی تھی۔ہر کسی نے یا تو اپنا پورا خاندان کھویا تھا یا پھر گھر بار۔

پولس آ کر اُس کا بیان لے گئی تھی۔سیاسی لیڈر آ کر اُسے تسلیاں دے گئے تھے۔لیڈر ہر کسی کو تسلیاں دیتے تھے۔ پولس بار بار آ کر اُن کے بیان لیتی تھی۔وہاں پر کئی پولس والے ڈیوٹی پر متعیّن تھے۔وہ جیسے اُن پر نگرانی رکھ رہے تھے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایک دن اچھی طرح چیک اپ کرنے کے بعد ڈاکٹر نے اُس سے کہا۔

"اب تم چاہو تو اپنے گھر جاسکتے ہو۔جو زخم باقی ہیں وہ جلد ہی بھر جائیں گے۔آٹھ دن میں ایک بار آ کر اِن زخموں کی مرہم پٹی کرا لیا کرنا۔ "

ڈاکٹر نے تو کہہ دیا کہ وہ گھر جاسکتا ہے لیکن گھر بچا ہی نہیں ہے تو وہ کون سے گھر جائے۔اِس سے اچھا ہے کہ وہ یہیں اسپتال میں لاوارثوں کی طرح پڑا رہے۔

لیکن وہ زیادہ دنوں تک وہاں نہیں رہ سکا۔

ایک دن پولس آ کر اُسے اسپتال سے اُٹھا لے گئی اور اُسے حوالات میں ڈال دیا۔

حوالات کے اِس کمرے میں وہ پچاس لوگوں کے درمیان تھا۔اِن پچاس لوگوں میں کچھ کی حالت اُس کی سی تھی، کچھ لوگ اچھی حالت میں تھے۔

"انسپکٹر صاحب ! مجھے یہاں کیوں لایا گیا، مجھے حوالات میں کیوں ڈالا گیا ہے ؟ " وہ چیخا۔

"دنگا کرنے کے الزام میں تجھے حوالات میں ڈالا گیا ہے۔ تیرے محلے کے پڑوس کے محلے کی شانتی بین چال پر تم لوگوں نے حملہ کیا تھا اور چال کو آگ لگا دی تھی اور دس لوگوں کو زندہ جلا دیا تھا۔"

"انسپکٹر صاحب ! بھلا مَیں کسی پر حملہ کس طرح کر سکتا ہوں۔کس طرح کسی کو زندہ جلا سکتا ہوں ؟ خود میرا گھر بار جلا دیا گیا، میرے بیوی بچوں کو میری آنکھوں کے سامنے زندہ جلا دیا گیا مجھے مار مار کر ادھ مرا کر دیا گیا ہے۔پھر میں یہ بھیانک جرم کیسے کر سکتا ہوں ؟ " وہ چیخا۔

"اے کاہے کو چیخ رہا ہے ؟ اپنا گلہ پھاڑ پھاڑ کر تُو رات دن بھی چیختا رہے تو بھی تیرے چیخنے کا اُن پر کوئی اثر نہیں ہو گا، ایک بار اُنھوں نے جو الزام لگا دیا، وہ پتھر کی لکیر ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اب فساد، لوٹ مار، قتل و غارت گری کے جرم میں سات آٹھ سال اندر رہ کر عدالت میں خود کو بے گناہ ثابت کر تبھی یہاں سے نکل پائے گا۔ "

تب اُس کو پتہ چلا کہ اِس کمرے میں جتنے لوگ ہیں اُن میں سے زیادہ تر لوگ بے گناہ ہیں ، اُنھیں شہر کے مختلف علاقوں سے پکڑ کر لا کر اِس حوالات میں ٹھونس دیا گیا ہے اور اُن پر وہ الزام لگا دئے گئے ہیں۔

اِس کے بعد تو اُس کے دل میں حوالات سے نکلنے کی کوئی اُمید باقی نہیں رہی۔ایک دن کوئی سیاسی لیڈر پولس اسٹیشن آیا۔حوالات میں آ کر وہ اُن سے ملا۔اُس نے اُن کی ساری باتیں سنیں اور باہر جا کر پولس پر گرجنے لگا۔

"یہ کہاں کا انصاف ہے ؟ یہ لٹے، تباہ حال لوگ جو اُس وحشیانہ فساد میں اپنا سب کچھ لٹا چکے ہیں اُن کے ساتھ جو وحشیانہ سلوک جن فسادیوں نے کیا وہ تو آزاد ہیں پولس نے

اُن کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی۔اُن مظلوم لوگوں کو فسادی بنا دیا گیا ہے۔میں کل ہی اِس کے بارے میں پارلمینٹ میں آواز اُٹھاؤں گا اور وزیر داخلہ سے اِس بارے میں جواب طلب کروں گا۔ "

اُس کی بات سن کر پولس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔

"اگر ایسا ہوا تو جواب دینا مشکل ہو جائے گا۔ہم اُن لوگوں پر کیس تو بنا چکے ہیں۔اُنھیں اِس وقت چھوڑ دیا جائے جب معاملہ ٹھنڈا ہو جائے پھر اُٹھا لیں گیا اور ہمارے سروں سے یہ مصیبت بھی ٹل جائے گی۔

اور اُنھیں راتوں رات چھوڑ دیا گیا۔

اب وہ شہر میں تنہا تھا۔بے یار و مدد گار ..... بے امان۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نہ تو اُس کا کوئی ساتھی نہ رشتہ دار تھا،نہ اُس کے سر پر کوئی چھت تھی۔

اپنے جلے گھر کی راکھ کو صاف کر کے اُس نے ایک کونے میں اتنی جگہ بنا لی تھی جہاں وہ ریلیف میں ملا کمبل بچھا کر سو سکتا تھا۔آنکھ کھلتی تو اُسے اپنے چاروں طرف وہی شناسا چہرے دکھائی دیتے جنھوں نے اُس کے گھر اور اُس کے بیوی بچوں کو جلایا تھا۔

وہ اُسے دیکھ کر طنزیہ انداز میں مسکراتے تھے۔وحشیانہ ہنسی ہنستے تھے جن کو سن کر اُس کا دل دہل جاتا تھا۔بڑے آرام سے وہ اپنے کام دھندوں میں لگے ہوئے تھے۔اپنی دوکانوں پر بیٹھے قہقہے مار کر باتیں کرتے تھے۔اپنی پارٹی کے جلسوں اور مذہبی جلسوں میں جوش و خروش سے کرتن بھاشن کرتے تھے۔وہ ایک ایک چہرے کو اچھی طرح جانتا تھا۔

اُس نے جلتی ہوئی بیوی کے سینے میں ترشول مار کر اُسے دوبارہ آگ میں دھکیلا تھا۔اُس نے اُس کے جسم پر کئی جگہ ترشول گاڑھے تھے، اُس نے اُس کے سر پر ہاکی ماری تھی، اُس نے اُس کے جسم پر خنجر مارا تھا، اُس نے اُس جگہ آگ لگائی تھی، اُس نے وہ دوکان لوٹی تھی۔

لیکن وہ سب آزاد تھے۔

پولس اُسے بار بار پولس اسٹیشن طلب کرتی اور پتہ نہیں کن کن کاغذات پر اُس کے دستخط لیتی۔دن بھر اُس کا پولس اسٹیشن یا کورٹ میں گزرتا۔

اور قاتل، وحشی اپنے اپنے گھروں ، محلوں ، دوکانوں میں رہتے۔وہ خود کو قاتلوں کے درمیان گھرا ہوا پاتا۔اُس کے چاروں طرف قاتل بکھرے ہوئے تھے جو آزاد تھے۔

ایک بار وہ اُن سے بچ گیا لیکن اگر اُنھیں دوبارہ اِس طرح کا موقع ملے تو کیا وہ بچ پائے گا ؟

www.iqbalkalmati.blogspot.com

حوالات میں جو شخص داخل ہوا اُسے دیکھ کر دونوں حیرت میں پڑ گئے۔

"مگن بھائی ..... ! " دونوں کے منہ سے نکلا۔

اپنا نام سن کر مگن بھائی نے چونک کر اُنھیں دیکھا اور پھر گھور اُنھیں کر پہچاننے کی کوشش کرنے لگا

دونوں مگن بھائی کے لئے نا آشنا تھے۔اِس لئے مگن بھائی کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں اُبھرا۔اُس نے ہاتھ میں پکڑے موبائیل فون پر ایک نمبر ڈائل کیا اور کسی سے بات کرنے لگا۔

"ہیلو ..... میں مگن بھائی ہوں اور حوالات سے بول رہا ہوں۔کیا میری گرفتاری کی خبر ٹی وی پر نہیں دیکھی۔؟

ارے حوالات مجبوری ہے۔سی۔ایم سے میں نے بات کی ہے۔اُنھوں نے مجھے سمجھایا کہ تمہارا معاملہ بہت بگڑ چکا ہے، پورے ملک میں اِس سے ہنگامے ہو رہے ہیں۔حالات کے تقاضے کے تحت تمہاری گرفتاری بہت ضروری ہے۔اِس لئے جا کر دو تین دِن تک حوالات میں آرام کرو۔بعد میں سارا معاملہ کس طرح ختم کیا جائے ؟ میں دیکھ لوں گا۔اِس لئے گرفتاری دینی پڑی اور حوالات میں ہوں۔۔۔ارے فکر کرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔یہاں مجھے ہر طرح کی سہولت مہیا کی جائے گی۔فون کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر مجھ سے ملنا ہو تو آزاد نگر پولس اسٹیشن آ جانا،سمجھے۔ "

ابھی مگن بھائی نے موبائیل بند بھی نہیں کیا تھا کہ دو سپاہی گادی اور ضروری سامان کے ساتھ حوالات میں داخل ہوئے۔ اُنھوں نے گادی فرش پر بچھا دی، کُرسی ایک کونے پر رکھ دی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"مگن بھائی اور کچھ چاہئے ؟ " دونوں نے بڑے ادب سے پوچھا۔

مگن نے جیب سے سو روپے کا نوٹ نکال کر اُن کی طرف بڑھا یا۔

ایک 555کا سگریٹ کا پیکٹ لے آنا، باقی تم رکھ لینا۔ "

دونوں سپاہیوں نے مگن بھائی کو سلام کیا اور حوالات کے باہر چلے گئے۔مگن بھائی گادی پر لیٹ کر سگریٹ پھونکنے لگا۔ اُسی وقت موبائیل فون بجا۔

"ہاں مگن بول رہا ہوں۔جو کچھ دیکھا سُنا سب سچ تھا۔اِس وقت حوالات میں ہوں۔ارے یہ سب ناٹک اور دِکھاوا ہے۔ اپوزیشن اور عوام کے غصے کو ٹھنڈا کرنا ضروری تھا۔اگر میں چاہوں تو کل ہی گھر چلا جاؤں گا، کاغذ پر میرا ریمانڈ رہے گا اور میں بنگلے میں آرام کروں گا۔سب سیٹنگ ہو گئی ہے، گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔"

اس کے بعد مسلسل آٹھ دس فون آئے۔سب سے مگن بھائی نے اِسی طرح کی باتیں کی۔

دونوں ایک کونے میں بیٹھے چپ چاپ مگن بھائی کا تماشہ دیکھتے رہے۔اُنھیں مگن بھائی کو حوالات میں دیکھ کر بڑی خوشی ہو رہی تھی، وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔ وہ آج حوالات میں اُس کمرے میں ہیں جس میں مگن بھائی بھی ہے۔لیکن آج ایک بات دِل کو کچوک رہی تھی۔ مگن بھائی جس طرح حوالات میں تھا اور اُسے حوالات میں جو آرائشیں میسّر تھیں، اُنھیں اس پر شدید غصہ آ رہا تھا۔ حوالات میں تو وہ بھی تھے۔

سویرے اُنھیں گرفتار کر کے حوالات میں ڈالا گیا تھا لیکن اُنھیں نہ پینے کے لئے پانی ملا تھا اور نہ کھانے کے لئے کھانا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اُن کے لئے گھر سے جو کھانا آیا تھا، ڈیوٹی پر تعینات سپاہی چٹ کر گئے تھے۔

اور مگن بھائی کو ..... ؟

دونوں کے جرائم میں زمین آسمان کا فرق تھا۔اُنھوں نے ایک معمولی جھگڑا اور مار پیٹ کی تھی جو کوئی سنگین جرم نہیں تھا۔مگر جس کے ساتھ مار پیٹ کی تھی اُس کا اثر و رُسوخ بہت زیادہ تھا۔اور اِس وقت ریاست میں سیاسی رسُوخ کا ہی راج تھا۔اِس لئے اُنھیں فوراً گرفتار کر لیا گیا۔ راستے بھر پٹائی ہوتی رہی، حوالات میں ڈالنے کے بعد تو سپاہیوں نے اُنھیں اور بھی زیادہ بے دردی سے مارا تھا۔

"سالو ..... حرام زادو ! پریم جی بھائی سے اُلجھتے ہو، جانتے ہو، پریم جی بھائی کون ہے ؟ سی۔ایم کا خاص آدمی ہے۔تم لوگوں نے سی۔ایم کے خاص آدمی سے مار پیٹ کی ؟ اگر سی۔ایم کا فون آیا تو فساد کے الزام میں پوٹا لگا کر زندگی بھر

جیل میں سڑا دیں گے۔تمہارے ایریے میں فساد میں مسلمانوں کا بہت نقصان ہوا ہے۔سیکڑوں لوگوں کو موت کے گھاٹ اُتارا گیا ہے۔لیکن اوپر سے آئے حکم کے مطابق ہم نے ابھی تک ایک بھی فسادی گرفتار نہیں کیا ہے۔اگر پریم جی بھائی نے کہہ دیا تو تمہیں فساد کے جرم میں گرفتار کر لیں گے۔ہمارے لئے ایک پنتھ دو کاج ہو گا۔لیکن تم اپنا انجام سوچ لو " ! .....

پریم جی بھائی سے اُلجھتے وقت اُنھیں اندازہ تھا کہ اس کا انجام کیا ہوسکتا ہے۔ان عام باتوں کے لئے اُنھوں نے اپنے آپ کو پہلے سے تیّار کر لیا تھا۔ان سے ڈر کر کام نہیں چل سکتا تھا۔پریم جی بھائی کو سبق سکھانا بہت ضروری تھا۔ اِس لئے وہ اُس سے اُلجھ پڑے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اِس لئے اُن کے ساتھ جو کچھ ہو رہا تھا اس کو وہ برداشت کر رہے تھے۔لیکن اُنھیں یہ بات کچوک رہی تھی کہ اُنھوں نے کوئی سنگین جرم نہیں کیا تھا۔پھر بھی اُن کے ساتھ جانوروں سا سلوک کیا جا رہا ہے۔لیکن ایک سنگین جرم کرنے والے وحشی، درندے کو شاہانہ ٹھاٹ باٹ سے حوالات میں رکھا گیا ہے۔

اُنھوں نے سویرے پریم جی بھائی سے مار پیٹ کی اور آدھا گھنٹے کے اندر حوالات میں تھے۔

مگن بھائی نے جو جرائم کئے اُنھیں مہینوں ہو گئے ہیں پھر بھی وہ آزاد تھا۔ایک ماہ پہلے شکیلہ نے ایک اپوزیشن لیڈر کے سامنے بیان دیا تھا کہ مگن بھائی نے اُس کے ساتھ وحشیانہ غیر انسانی سلوک کیا ہے۔

شکیلہ کے اس بیان کو کئی ٹی وی چینل کے کیمروں نے قید کیا تھا۔اور پھر اس بیان کو ساری دُنیا میں بتایا گیا تھا۔

اس اپوزیشن کے لیڈر نے اس بات کو پارلیمنٹ میں اُٹھایا تھا اور وزیر داخلہ سے مگن بھائی کی گرفتاری کی مانگ کی تھی۔

لیکن ریاست کے سی۔ایم اور خود وزیر داخلہ نے اُسے مگن بھائی کے خلاف ایک سازش قرار دے کر گرفتاری کی درخواست مسترد کر دی تھی۔

جب کئی ممبران نے اُس کے خلاف آواز اُٹھائی تو وزیر داخلہ نے اعلان کر دیا۔ہم اِس معاملے کی تحقیقات کر رہے ہیں اور اگر مگن بھائی کو خطا وار پایا گیا تو اُس کے خلاف ضروری قانونی کاروائی کی جائے گی۔

ہر کوئی جانتا تھا کہ مگن بھائی خطا وار ہے۔اُس نے بڑے بھیانک انسانیت سوز جرائم کئے ہیں کہ اگر اُسے دس بار بھی پھانسی پر لٹکایا گیا تو بھی اُس کی سزا کم ہو گی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لیکن مگن بھائی کا تعلق سی۔ایم اور وزیر داخلہ کی پارٹی سے تھا۔وہ اُن کی پارٹی اور اُس کی ذیلی پارٹیوں کا سرگرم رُکن تھا اور اِس بات پر فوراً عمل کرتا تھا جس کا حکم اُس کی پارٹی یا ذیلی تنظیمیں دیتی تھیں۔پھر بھلا ایسے سرگرم رُکن کے خلاف کس طرح کوئی کاروائی کی جاسکتی ہے اور اِن کی پارٹی اور ذیلی تنظیموں کی نظر میں تو مگن بھائی نے کوئی جرم ہی نہیں کیا تھا۔

انسانیت اور قانون کی نظر میں مگن بھائی کے کارنامے شاید گھناؤنے، وحشیانہ اور سنگین جرائم ہوں گے۔لیکن اُن کی پارٹی کی نظر میں یہ کوئی جرم نہیں تھا۔کیونکہ اُن کی پارٹی کی نظر میں اِس طرح کی حرکتوں کا اِرتکاب دھرم کا پالن تھا۔اور مگن بھائی نے پارٹی تنظیم کے دھرم کا پالن کیا تھا۔اِس لئے ایسے دھرم یودھا کی حفاظت کے لئے پارٹی اور تنظیم فولادی دیوار بن کر کھڑی تھی۔

دُنیا کے تمام اخلاقیات کے اُصول، درس بالائے طاق۔ہمارے یودھا نے جو کچھ کیا وہ دُرست۔ہم بھلے اپنے آپ کو بہت با اخلاق، با کردار ظاہر کریں لیکن اپنے مفاد، اپنے مقصد کے حصول کے لئے سارے اخلاقی، انسانی، قانونی ضوابط کو روندنا ہمارا مقصد ہے۔

جس پارٹی کے اُصول ہی یہ ہوں وہ مگن بھائی جیسے یودھا کیوں نہ پیدا کریں ؟ اور یہ یودھا مگن بھائی جیسے کارہائے نمایاں انجام کیوں نہ دیں۔

ساری دُنیا جن کاموں پر تھوکیں ، اُن کاموں کو انجام دینے میں بھی نہ تو کوئی جھجھک محسوس کرے نہ دُنیا کے تھوکنے پر شرم آئے، نہ غیرت محسوس ہو، نہ اپنے کسی کام پر پشیمانی محسوس ہو۔مگن بھائی جیسے یودھاؤں کو جب تیّار کیا جاتا ہے تو سب سے پہلے اُن کے ضمیر کو ختم کر دیا جاتا ہے۔تاکہ کسی کام کو کرتے وقت وہ اُنھیں اس کام کو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کرنے سے نہ روکے اور نہ ہی وہ ضمیر کی آواز پر لبیک کہیں۔

لبیک کہیں تو صرف پارٹی اور تنظیم کی آواز، اُن کے حکم پر۔اِس لئے سارے ملک اور دُنیا کے کئی ممالک سے شور اُٹھتا رہا۔حقوق انسانی کی تنظیمیں واویلا مچاتی رہی۔پھر بھی مگن بھائی دندناتا ہوا گھومتا رہا۔وزیر داخلہ سے سی۔ایم تک اِس کی ہر بات کا دفاع کرتے رہتے۔

روزانہ نئے نئے چینل شکیلہ کے انٹرویو دِکھاتے۔اخبارات شکیلہ کی کہانی کو کوراسٹوری بناتے اور مگن بھائی کے گناہ تازہ ہو جاتے۔انسانیت کے پرستار اِس حیوانیت کے خلاف آواز اُٹھاتے اور مگن بھائی اسے کتوں کا بھونکنا قرار دیتا۔ پارٹی اپنے یودھا کا دفاع کرتی۔

لیکن ایک دِن آخر وہ ہولناک منظر سامنے آہی گیا جس کی اب تک لوگوں نے کہانیاں سُنی تھیں۔اب تک شکیلہ اپنے

ہر انٹرویو میں بتاتی تھی کہ کس طرح مگن بھائی نے اُس کے گھر کے ہر فرد کو زندہ جلایا ہے۔اُس کے بوڑھے باپ کے سینے میں ترشول مار کر اُسے دہکتی آگ میں پھینکا۔اُس کی ماں کو جلتی آگ میں ڈال دیا۔اُس کے دونوں بھائیوں کو ترشولوں سے مار مار کر جلتی آگ میں ڈھکیلا۔اُس کی چھوٹی بہنوں کے نسوانی اعضاء کو ترشول سے گھائل کیا اور پھر اُنھیں آگ دِکھا دی۔

اور اس کے ساتھ۔

اس کے ساتھ تیس چالیس یودھاؤں نے بلاتکار کیا۔

اور مگن نے اپنے ہاتھ سے اُس کے سینے پر چاقو سے " جے شری رام "لکھا۔وہ اس لئے نہیں ماری گئی کیونکہ اسے یودھاؤں کی حیوانیت کو سیراب کرنا تھا۔

وہ اس لئے بچ گئی کہ آخری یودھا جب اس سے سیراب ہو کر گیا تو دوسرے یودھا کے آنے میں تھوڑی تاخیر ہو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گئی۔اِس دوران اُس نے خود کو سنبھال لیا اور موقع ملتے ہی اس جگہ سے بھاگ نکلی اور کسی طرح گرتے پڑتے ایک اسپتال پہونچ گئی۔

جہاں علاج کرنے کے بعد اُس کی جان بچا لی گئی۔

لیکن اپنے اس آخری انٹرویو میں اس نے اپنا سینہ کیمروں کے سامنے کر دیا۔

ایک جوان لڑکی کا نرم گداز سینہ۔

جس پر چاقو کی نوک سے لکھا " جے شری رام " صاف دِکھائی دے رہا تھا۔

اُسے دیکھ کر ہر کوئی دہل اُٹھا۔

یہ ہے اُس درندے مگن بھائی کے گناہ کا ثبوت ... جسے یودھا قرار دے کر وزیر داخلہ سے سی۔ایم تک بچانے کی کوشش کر رہا ہے۔

اِس منظر کو دیکھ کر انسانیت کانپ اُٹھی۔جس نے بھی ٹی وی پر تصویروں میں شکیلہ کا سینہ دیکھا، کانپ اُٹھا۔

ایک جوان لڑکی کا گداز سینہ دیکھ کر بھی کسی کے دِل میں ہوس کا جذبہ پیدا نہیں ہوا۔

ہر کسی نے لعنت ملامت کی اور غم اور غصے کی ایک لہر پورے ملک میں دوڑ گئی۔اور آخر ارباب اقتدار کو مگن بھائی کی گرفتاری کا آرڈر دینا پڑا۔مگن بھائی گرفتار کیا گیا اور ان کے ساتھ حوالات میں تھا، کس طرح تھا ؟ اُنھیں خود شرم آ رہی تھی۔

دونوں شکیلہ کو بہت اچھی طرح جانتے تھے۔

شکیلہ ایک اسکول میں ٹیچر تھی، اُن کے محلے میں ہی رہتی تھی۔

اور دونوں کے بچے اُس کے پاس ٹیوشن پڑھنے جاتے تھے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جب بھی سامنا ہوتا تھا۔مسکرا کر ان سے ملتی تھی۔اور اُن کے بچوں کے بارے میں بتاتی تھی۔

"اشوک بھائی ! اتُل میتھس میں تھوڑا کمزور ہے، میں اسے ٹھیک کر لوں گی، لیکن گجراتی پر بھی دھیان دیں۔ "

"وِنے بھائی ! وِملا کی انگریزی اچھی نہیں ہے، بہت محنت کرنی پڑے گی۔"

اس شکیلہ کے ساتھ اور اس کے خاندان کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ اچھی طرح جانتے تھے۔

اُنھیں تو بہت بعد میں معلوم ہوا کہ شکیلہ کے اور اس کے خاندان والوں کے ساتھ کیا ہوا ہے۔مگر اُنھیں علم تھا کہ اگر اُنھیں اس وقت بھی معلوم ہو جاتا جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا تو بھی وہ کچھ نہیں کر پاتے۔

یودھاؤں کی پوری فوج انسانیت کو تاراج کر کے اپنے افکار کا جھنڈا گاڑنے نکلی تھی۔اور اِس فوج کے ساتھ حکومت،

مشنری، اقتدار سب کچھ تھا۔اِس لئے جو کچھ ہوا اُس پر صبر و شکر کر لینا کافی ہے۔شاید اس سے بھی زیادہ کچھ ہو جاتا .... یا ہوسکتا تھا۔

اِس یُدھ کا ایک یودھا مگن بھائی حوالات میں تھا۔

اور اس یودھا کو اس کی شان کے مطابق ہی اعزاز مل رہا تھا۔

دونوں ایک دُوسرے کو کبھی بے بسی سے دیکھتے تو کبھی غصے سے مگن بھائی کو۔جو اِس وقت آرام سے سو رہا تھا۔

ابھی کچھ دیر قبل اُس نے آخری موبائیل کال وصول کی تھی۔

"ارے تم فکر کیوں کرتی ہو ؟ بولا نہ کل تک سب ٹھیک ہو جائے گا۔ایک دو دِنوں میں گھر آ جاؤں گا۔سی۔ایم اور وزیر داخلہ سے بات ہو گئی ہے۔اِس حرامی لڑکی شکیلہ کا کچھ دِنوں کے بعد قصہ ہی ختم کر لیا جائے گا۔اسے آئی۔ایس۔ آئی کا ایجنٹ قرار دے کر گرفتار کر لیا جائے گا دُنیا کو بتا دیا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جائے گا کہ مگن بھائی، اس کی پارٹی، تنظیم کو بدنام کرنے کے لئے یہ آئی۔ایس۔آئی کی سازش تھی۔

دونوں دیر سے مگن بھائی کے اس کال پر غور کر رہے تھے۔

مگن بھائی نے کہہ دیا تو ایسا ہی ہو گا۔اگر ایسا ہوا تو پھر شکیلہ ... انصاف ... انسانیت ! .....

اُنھیں لگا جیسے چاروں طرف وحشی ناچ رہے ہیں۔دھرتی پر وحشیوں کا راج آگیا ہے۔اب ان کے پاس دو ہی راستے ہیں۔وہ بھی وحشی بن جائیں یا پھر انسان ہونے کا ثبوت دیں۔

"اشوک " ! ...

"وجے " ! .....

"ہمیں انسان ہونے کا ثبوت دینا ہے۔ "

"ہاں نہیں تو تاریخ ہم کو معاف نہیں کر سکے گی۔ "

دونوں ایک دُوسرے کی آنکھوں میں دیکھ کر بولے۔

"آؤ ... حساب کریں۔ "

دونوں اُٹھ کر مگن بھائی کے پاس پہونچے۔اُسے نیند سے جھنجھوڑا .....

"کیا بات ہے، مجھے نیند سے کیوں جگایا .... ؟ اشوک، وجے ! تم کیا چاہتے ہو ؟ "

"رات کے دو بج رہے ہیں سارے سپاہی سو چکے ہیں تم اگر ذبح ہونے والے بکرے کی طرح بھی چیخو تو تمہاری چیخ اُن تک نہیں پہونچ پائے گی۔لیکن یہ بھی یاد رکھو۔اگر تمہارے منہ سے ہلکی سی چیخ بھی نکلی تو ہم تمہیں سچ مچ کسی بکرے کی طرح ذبح کر دیں گے۔انجام جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا۔

اور وہ کسی بھوکے شیر کی طرح مگن بھائی پر ٹوٹ پڑے۔

اپنے جسم کی ساری طاقت جمع کر کے مگن بھائی پر وار کرنے لگے۔

مگن بھائی کے منہ سے ہلکی سی آواز بھی نکلتی تو ان کا اگلا وار دُوگنا طاقت کا ہوتا۔اس وار سے بچنے کے لئے مگن بھائی نے چیخنا تو در کنار کراہنا بھی بند کر دیا۔

ایک گھنٹے تک اُنھوں نے مگن بھائی کی اتنی پٹائی کی کہ ان کے ہاتھ پیر اور پورا جسم درد کرنے لگا۔ سستانے کے لئے وہ تھوڑی دیر رُک گئے۔

اُنھوں نے طے کر لیا تھا کہ مگن بھائی کے ساتھ یہ عمل اُنھیں رات بھر دہرانا ہے۔

ننگ دھڑنگ مگن بھائی حوالات کے ایک کونے میں دُبکا، اپنے جسم پر اُبھرے زخموں کے نشان اور مار کی ٹیس کو برداشت کرنے کی کوشش میں سسک رہا تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

مگن کو دی گئی کُرسی پر اشوک بیٹھا اُس کے موبائیل سے کھیل رہا تھا اور وجے مگن کو دئے گئے نرم بستر پر لیٹا سستا رہا تھا۔

بے جسم

واپس گھر پہونچنے تک ۹ بج گئے تھے۔

اسے جھنجھلاہٹ ہو رہی تھی۔ہر بار وہ چاہتا ہے کہ جلد سے جلد گھر پہونچے لیکن اُس کی یہ چاہ کبھی پوری نہیں ہوتی تھی۔آفس سے نکلنے کے بعد راستے میں کچھ نہ کچھ مسائل اُٹھ کھڑے ہوتے تھے اور وہ تو دس بجے ہی گھر پہونچ پاتا تھا۔ کبھی آفس کی مصروفیات یا باس کا کوئی آرڈر اُسے آفس سے جلد نہ نکلنے کے لئے مجبور کر دیتا تھا۔تو کبھی لمبی مسافت کا سفر اور سفر کے دوران پیش آنے والے واقعات۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس نے کبھی بھی اس کے گھر پہونچنے پر مایا کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں دیکھی تھی۔

اسے دیکھ کر مایا کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں اُبھرتا تھا اور وہ کسی روبوٹ کی طرح بیزار سی اس کی خدمت میں لگ جاتی تھی۔

خدمت کیا، اُس کے اُتارے کپڑوں کو سلیقہ سے لے جا کر ہینگر میں لگانا، اسے گھر میں پہننے والے کپڑے دینا، جب وہ واش بیسن سے منہ دھو کر ہٹے تو ٹاول لے کر کھڑی رہنا۔

اس کے بعد بہت مختصر سے معمولات ہوئے تھے۔

دونوں ساتھ کھانا کھاتے، تھوڑی دیر تک ٹی وی دیکھتے اور سوجاتے۔سویرے جلدی اُٹھ کر مایا اس کے لئے ٹفن بناتی اور وہ دفتر جانے کی تیاری کرتا اور آٹھ بجے سے پہلے گھر چھوڑ دیتا۔

اس دِن جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو رگھو اطمینان سے بیٹھا کُرسی بنا رہا تھا۔مایا ٹی وی دیکھ رہی تھی، اس کی آہٹ سن کر مایا نے پلٹ کر اُسے دیکھا، اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں اُبھرا، وہ دوبارہ ٹی وی دیکھنے میں مصروف ہو گئی۔

رگھو نے اس کی آہٹ پاکر سر اٹھا کر اسے دیکھا اور دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

اس کے چہرے پر اطمینان اور ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

اس نے اندازہ لگا لیا تھا، سب کچھ ٹھیک ہے۔

بجو کا اپنی جگہ کھڑا ہے، اس کے سر کی جگہ رگھو کا سر لگا ہوا ہے اور وہ اپنے فرائض انجام دے رہا ہے۔

اسے اطمینان محسوس ہوتا، جیسے یہ اطمینان اس کی سب سے بڑی دولت ہے، اس کی زندگی کا حصول ہے۔اس اطمینان کو قائم

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رکھنے کے لئے وہ زندگی کی جنگ لڑ رہا ہے اور اس اطمینان میں اس کی فتح یابی پنہاں ہے۔

وہ ایک کسان ہے اس کے ماں باپ، دادا، پردادا کسان تھے۔گاؤں میں زراعت کرتے تھے۔اس نے کھیتی نہیں کی ہے۔وہ اپنے گاؤں اور کھیت سے کوسوں دُور ہے۔لیکن اس کی فطرت نہیں بدل پائی ہے۔ایک کسان کی طرح اسے سب سے زیادہ فکر اپنے کھیت کی رہتی ہے۔

لیکن یہاں تناظر بدل گیا ہے۔

اس کے پاس کھیت نہیں ہے وہ اپنی زمین، کھیت، گاؤں سے بہت دور ہے۔اسے ان کی کوئی فکر نہیں ہے۔

لیکن نئے تناظر نے اسے ایک نئی فکر دے دی ہے۔

مایا .....

مایا اس کے لئے ایک مسئلہ ہے۔اس کی سب سے بڑی فکر،پریشانی ہے۔اس کی زندگی کی سب سے بڑی اُلجھن ہے، اُس کی سب سے بڑی چنتا ہے۔

مایا اس کی بیوی۔

کبھی کبھی اسے محسوس ہوتا ہے کہ اس نے مایا سے شادی کر کے سب سے بڑی غلطی کی ہے۔

لیکن جب سنجیدگی سے سوچتا تو اسے یہ اپنی کوئی غلطی محسوس نہیں ہوتی تھی۔

اسے شادی تو کرنی تھی، بنا شادی کے تو وہ جی نہیں سکتا تھا۔ اگر مایا سے شادی نہیں کرتا تو کسی ریکھا، رُوپا یا گنگا سے شادی کرتا۔

اور جب اپنے حالات پر غور کرتا تو اُسے محسوس ہوتا، جو بھی لڑکی اس کی بیوی بن کر آتی،اس کے لئے وہی مسئلہ ہوتی جو مایا ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کبھی سوچتا مایا سے ہمیشہ کے لئے نجات پالے۔
لیکن بھلا مایا سے نجات ممکن ہے ؟
کبھی سوچتا مایا کو اپنے گاؤں یا اس کے میکے بھیج دے۔لیکن دونوں میں سے کوئی بھی کام مسئلہ کا حل نہیں تھا۔وہ اور مایا اسی مسئلہ میں گھری رہتی جس میں آج گھری ہے۔
آج کم سے کم مایا کے پاس یہ احساس تو ہے کہ رات کو اس کا پتی اس کے پاس ہوتا ہے۔اگر وہ مایا کو اپنے گاؤں یا اس کے میکے بھیج دے تو اس سے یہ احساس بھی چھن جائے گا۔تب اس کی حالت کیا ہو گی ؟ اور وہ کیا کر ڈالے گی اس کے تصور سے ہی اس کی رُوح کانپ اُٹھتی تھی۔
مایا اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔مایااسے پسند ہے وہ مایا کو بے حد چاہتا ہے۔مایا بھی ایک سعادت مند بیوی کی طرح اس کی ہر طرح سے خدمت کرتی ہے۔اس کا ہر طرح

سے خیال رکھتی ہے، اس نے اسے زندگی میں کبھی کوئی کمی محسوس نہیں ہونے دی ہے۔
اور اس نے بھی اپنی جان سے بڑھ کر مایا کا خیال رکھا ہے۔وہ جو کچھ بھی کرتا ہے اپنے اور مایا کے لئے ہی تو کرتا ہے۔ان کی زندگی میں اور کوئی بھی نہیں ہے۔اسے مایا کی ہر خواہش، ہر مانگ کو پوری کرنے میں رُوحانی مسرت ہوتی ہے اس کا دِل چاہتا ہے کہ مایا اس سے کوئی چیز مانگے اور فوراً مایا کی مانگ پوری کرے یا مایا کی مانگ پوری کرنے کے لئے اپنے تن، من، دھن کی بازی لگا دے۔
لیکن مایا کا رویّہ اُس کے لئے ایک سوالیہ نشان تھا۔
صرف کبھی کبھی ہی نہیں ، ہمیشہ اسے مایا کے رویّے سے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے مایا اس کے ساتھ خوش نہیں ہے یا مایا اسے شریک حیات کے طور پر پاکر خوش نہیں ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اِس بات کو سوچ کر اس پر ایک افسردگی کا طوفان چھا جاتا تھا۔اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگتا تھا اور دِل کی دھڑکنیں ڈوبنے لگتی تھی۔

"آخر مجھ میں کیا کمی ہے، میں نے مایا کی کسی خواہش کو پورا نہیں کیا ہے، مایا کی زندگی میں ایسی کون سی کمی رکھی ہے جو مایا میرے ساتھ خوش نہیں ہے۔؟ "

وہ خود سے یہ سوال بار بار کرتا تھا۔لیکن اس میں مایا سے یہ سوال پوچھنے کی ہمت نہیں تھی۔

وہ ڈرتا تھا کہ اگر مایا اس بات کا اقرار کر لے کہ وہ اس کے ساتھ خوش نہیں ہے اور اپنی زندگی کی اس کمی کے بارے میں بتا دے جو وہ پوری نہیں کر پا رہا ہے تو شاید اس کی زندگی میں ایسا طوفان آ جائے گا جو دونوں کو بہا لے جائے گا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک دُوسرے کو جدا کر دے گا۔

یہ سوال جیسے اس طوفان کو روکنے والا دروازہ تھا اور وہ خود یہ سوال پوچھ کر اس طوفان کا دروازہ کھول کر اس کی تاب لانے کی سکت نہیں رکھتا تھا۔

دھیرے دھیرے اسے مایا کی خواہشات کا پتہ چلنے لگا تھا۔مایا چاہتی تھی کہ وہ مہینے میں ایک دو بار کسی دُوسرے شہر سیر و تفریح کے لئے جائے، ہر شام جلد گھر آ جائے اور اسے لے کر شہر کے تفریحی مقامات پر جائے، ہوٹلوں میں کھانا کھائے، فلمیں دیکھے، اپنے دوست اس کی سہیلیوں کے گھر پارٹیوں میں لے جائے۔

اور اتوار کا دِن کا تو ایک لمحہ بھی گھر میں نہ گزارے۔

لیکن سب کچھ مایا کی اُمیدوں کے برخلاف ہوتا تھا۔

آفس کی مصروفیات کی وجہ سے وہ رات نو، دس بجے سے پہلے گھر نہیں آ پاتا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کوئی سرکاری نوکری نہیں تھی کہ پانچ بجے بھی اگر دفتر چھوڑ دیا جائے تو کوئی جواب طلب کرنے کی ہمت نہیں کرے گا۔

پرائیویٹ سروس تھی۔ہر لمحہ، قدم قدم پر باس مینیجمنٹ کا خیال رکھنا پڑتا تھا۔

آفس آنے کا وقت متعیّن تھا۔اس میں تاخیر نہیں ہوسکتی تھی۔لیکن آفس سے جانے کا کوئی وقت متعیّن نہیں تھا۔اگر رات کے بارہ بھی بج جائے تو بنا کام پورا کئے گھر جانے کی اجازت نہیں تھی۔

مایا کو اس کی اس مجبوری کا علم نہیں تھا۔

ویسے وہ مایا کو سیکڑوں بار اِس بارے میں سمجھا چکا تھا۔

لیکن مایا کی خواہشات کے آگے اس کی مجبوریاں کچھ نہیں تھیں۔ہفتہ بھر تو صبح آٹھ بجے سے نو، دس بجے تک گھر کے باہر ہی رہنا پڑتا تھا۔کھانا کھانے کے بعد بھلا جسم میں اتنی

قوت کہاں باقی بچتی تھی کہ کہیں باہر جایا جائے یا رات زیادہ دیر تک جاگ کر آوارگی سے لُطف اندوز ہوا جائے۔

کیونکہ سامنے صبح جلدی اُٹھ کر آفس جانے کا آسیب منہ پھاڑے کھڑا ہوتا تھا۔

اتوار کو اس کا من چاہتا تھا، وہ ہفتہ بھر کام کی تھکن اُتارے۔اور دِن بھر سوتا رہے، دِن بھر تو سو نہیں پاتا تھا، اُٹھ کر تیّار ہونے اور دوپہر کا کھانا کھانے میں دو بج جاتے تھے۔پھر ایک دو گھنٹہ کے لئے بھی باہر جانا ہو گیا تو اچھی بات تھی۔اگر کوئی مہمان آگیا تو وہ بھی ممکن نہیں تھا۔ایسے میں مایا کی خواہشات کیسے پوری ہوسکتی تھیں۔

اس کے آفس جانے کے بعد وہ گھر میں اکیلی رہتی تھی۔اس کا آفس بھی گھر سے ۶۰ ، ۷۰ کلومیٹر دور تھا۔وہ مایا کی خبر بھی نہیں لے سکتا تھا۔نہ مایا اس کی خیریت پوچھ سکتی تھی۔

شادی کے بعد برسوں تک یہی معمولات چلتے رہتے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ان میں کچھ دِنوں کی تبدیلی اس وقت آئی تھی جب وہ دونوں ایک دو دِنوں کے لئے گاؤں جاتے تھے۔لیکن یہ صرف سالوں میں ہی ممکن تھا۔

پھر دھیرے دھیرے اسے ایسی خبریں ملنے لگیں جن کو سن کر اس کی زندگی کا سکون درہم برہم ہو جاتا تھا۔

آس پڑوس والوں نے بتایا کہ اس کے آفس جانے کے بعد مایا گھنٹوں گھر سے غائب رہتی ہے۔اس سے ملنے اجنبی لوگ گھر آتے ہیں اور گھنٹوں گھر میں رہتے ہیں۔

اس نے اس سلسلہ میں جب مایا سے پوچھا تو مایا کے پاس اس کا بڑا سیدھا سا جواب تھا۔

آج اس سہیلی کے گھر اس سے ملنے گئی تھی۔

ملنے کے لئے آنے والا وہ مرد میری اس سہیلی کا شوہر تھا۔

وہ یہ چیزیں لینے کے لئے گھر آیا تھا۔

مایا کے اس جواب کے بعد دوبارہ کوئی سوال کرنے کی اس کی ہمت ہی نہیں ہوتی تھی۔

دھیرے دھیرے ایسے ثبوت ملنے لگے کہ اس کا شک یقین ہے اور مایا کی ہر بات جھوٹی ہے۔

گھر میں فون تو نہیں تھا جس کے ذریعے پتا لگایا جاسکے کہ مایا گھر میں ہے یا نہیں ؟ پڑوس میں فون تھا، دوچار بار اس نے پڑوس میں فون لگا کر مایا کو فون پر بلانا چاہا، ہر بار اسے جواب ملا کہ گھر پر تالہ لگا ہے۔

رات میں اس سلسلہ میں اس نے مایا سے پوچھا تو مایا کا جواب تھا۔

"وہ لوگ جھوٹ کہتے ہیں ، میں تو ایک لمحہ کے لئے بھی گھر سے باہر نہیں نکلی۔پر تالہ لگا ہے، میں گھر میں نہیں ہوں ، یہ کہہ کر وہ مجھے بدنام کرنا چاہتے ہیں اور تمہارے دِل میں بدگمانی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔،

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مایا کا جواب اسے اُلجھن میں ڈال دیتا تھا۔
سچائی کا پتہ اس وقت لگ سکتا تھا جب گھر میں کوئی گھر کا بڑا ہو، گھر کے کسی بھی چھوٹے بڑے آدمی کے گھر میں آئے مایا کا گھر سے باہر قدم نکالنا مشکل تھا۔نہ اس کے ہوتے کوئی غیر مرد گھر میں آسکتا تھا۔
اُس کا دُنیا میں کوئی بھی تو نہیں تھا۔ماں ، باپ، بھائی، بہنیں ، کوئی بھی تو نہیں جس کو وہ گھر میں لا کر رکھتا تاکہ مایا کے پیروں میں زنجیریں پڑی رہے۔
ایک ہی راستہ تھا جو مایا کو راہ پر لاسکتا تھا۔لیکن وہ راستہ بھی اسے مسدُود محسوس ہو رہا تھا۔
اسے اپنا بچپن یاد آیا۔
وہ بچپن میں اپنے ماں باپ کے ساتھ کھیتوں میں جایا کرتا تھا۔ماں باپ دِن بھر کھیتوں میں کام کر کے اپنے خون پسینے سے سیراب کر کے کھیتوں کو لہلہاتے تھے۔

جب فصل پک جاتی تو اس فصل کو پرندوں سے بچانا سب سے بڑا مسئلہ ہوتا تھا۔
اس کے لئے وہ کئی طریقے استعمال کرتے تھے۔
ڈھول تاشے بجا کر شور مچا کر پرندوں کو اُڑاتے تھے۔
اور ہر فصل کے ساتھ ایک بجوکا تو بنایا جاتا ہی ہے۔
لکڑیوں سے بنا ہوا بجوکا، جس کو پرانے کپڑے پہنا دئے جاتے تھے۔اور سر کی جگہ ایک ہانڈی لگا دی جاتی تھی۔جس پر یہ بھیانک آنکھیں منہ، ناک وغیرہ بنا دئے جاتے تھے۔تب پرندے اسے کوئی انسان سمجھ کر پھر اس طرف کا رُخ نہیں کرتے تھے۔
اسے شدت سے احساس ہونے لگا اسے اپنے گھر کی حفاظت کے لئے ایک بجوکا کی ضرورت ہے۔جو اس کے کھیت کی حفاظت کر سکے۔
کچھ ماہ قبل اسے اس کے چاچا کا خط ملا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"رگھو نے بہت پریشان کر رکھا ہے۔۱۸ سال کا ہو گیا ہے کوئی کام دھندا نہیں کرتا ہے۔اسکول وغیرہ تو بہت پہلے ہی چھوڑ چکا ہے۔اسے اپنے پاس بلا کر کسی کام دھندے سے لگا دو۔ورنہ بگڑ جائے گا۔"

اس خط کو یاد کر کے اس کی آنکھیں چمک اُٹھی تھیں۔

اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اسے اپنے گھر کے لئے بجوکا مل گیا ہے۔

رگھو اگر صرف اس کے گھر میں رہے تو بھی کافی ہو گا۔ بھلے سے وہ کوئی کام نہ کرے، کم سے کم اس کے گھر، مایا کی حفاظت تو کرے گا۔اس نے چاچا کو خط لکھا کہ رگھو کو اس کے پاس بھیج دیں۔

آٹھ دِن بعد ہی رگھو اُن کے پاس آگیا۔

اور جیسے اس کی ساری پریشانیاں دُور ہو گئی تھیں۔

وہ دِن بھر گھر میں بیٹھا ٹی وی پر فلمیں دیکھا کرتا تھا یا گھر کے چھوٹے موٹے کام کیا کرتا تھا۔

رات کو جب وہ گھر آتا تو مایا کو اپنے کام میں مصروف پاتا اور رگھو کو اپنے۔

وہ اپنے تصور کے بجوکا کو دیکھتا تو اس کے سر کی جگہ اسے رگھو کا سر لگا نظر آتا اور وہ مسکرا کر اس سے کہتا میں اپنا فرض بخوبی نبھا رہا ہوں۔

رگھو کے آجانے سے مایا بھی بجھی بجھی سی تھی۔اس کی ساری آزادی سلب ہو گئی تھیں لیکن وہ چاہ کر بھی اس کے خلاف احتجاج نہیں کر پا رہی تھی۔

ایک دو بار دبے لفظوں میں اس نے اس سے کہا بھی۔

"یہ رگھو کب تک یوں ہی گھر میں بیٹھا رہے گا۔اس کے لئے کوئی کام تلاش کرو، ورنہ اس کے ماں باپ ہم پر الزام

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لگائیں گے کہ ہم سے ایک چھوٹا کام بھی نہیں ہوسکا۔ہم رگھو کو کام بھی نہیں دِلا سکتے۔ "

"میں اس کے لئے کام تلاش کر رہا ہوں۔"کہہ کر وہ مایا کو لاجواب کر دیتا تھا۔

وہ سکون بھری زندگی گزار رہا تھا۔اس کی ساری پریشانیاں ، وسوسے، بدگمانیاں ، شک و شبہات رگھو کے گھر آ جانے کی وجہ سے جیسے ختم ہو گئے۔

ایک دِن جب وہ آیا تو اسے گھر کا ماحول کچھ بدلا بدلا سا محسوس ہوا۔

رگھو الماری کی صفائی کرتا ایک پوربی لوک گیت گا رہا تھا۔

اور مایا بھی دھیرے دھیرے کچھ گنگنا رہی تھی۔

اس کا چہرہ پھول سا کھلا ہوا تھا، چہرے اور آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔

اس کا دِل دھڑک اُٹھا۔

اس نے اپنے تصور کے بجوکا کو دیکھا تو اسے ایک جھٹکا سا لگا۔

اسے اس بجوکا کے سر کی جگہ رگھو کے بجائے اپنا سر لگا ہوا دِکھائی دے رہا تھا۔

میزان

"ادھرم کو روکنا بھی دھرم ہے۔ادھرم روکنے کے لئے جان بھی دینی پڑے یا کسی کی جان بھی لینی پڑے تو یہ دھرم ہے، یہ دیش بھی ہمارا دھرم ہے، اس دیش کے خلاف جو بھی کام کرتا ہے وہ ادھرمی ہیں اور ایسے ادھرمی کا سروناش کرنا دھرم ہے۔جو اس دیش کے قانون، کامن سول کوڈ کو نہیں مانتے۔وندے ماترم کا گان نہیں کرتے، گئو کا احترام نہیں کرتے وہ سب ادھرمی ہیں اور ایسے ادھرمیوں کے خلاف تلوار اُٹھانے کا وقت آگیا ہے۔جو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لوگ ہمارے رام للّا کا مندر بنانے کا وِرودھ کرتے ہیں ایسے ادھرمیوں کا سنہار کرنے کے لئے اُٹھ کھڑے ہو جاؤ ..... اُٹھ کھڑے ہو جاؤ .... ہر ہر مہا دیو ..... جے بھوانی ..... جے شیوا جی ..... جے مہا کالی .... سوامی مہاراج کی جے۔"

سوامی جی کی آواز لاؤڈ اسپیکر سے چاروں طرف پھیل رہی تھی۔ پھر ان کی آواز اشتعال انگیز جوشیلے نعروں کے درمیان ڈوب کر رہ گئی تھی۔ لاؤڈ اسپیکر سے نفرت انگیز، نعرے ہی اُبل رہے تھے۔

پل پر کھڑے کھڑے میں نے نیچے میدان پر نظر ڈالی۔ لاکھوں کی بھیڑ ہو گی، ہر فرد مٹھیاں بھینچے نعرے لگا رہا تھا۔ ان نعروں سے مجھے خوف محسوس ہو رہا تھا۔

مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا، وہ نعرے لگاتی بھیڑ بے قابو ہو گئی ہے، ان کے ہاتھوں میں ہتھیار آ گئے ہیں اور وہ سڑکوں پر اُتر آئی ہے۔ دوکانوں کو لوٹ رہی ہے، جلا رہی

ہے، لوگوں کو مار کاٹ رہی ہے اور اس بھیڑ کے درمیان کئی چہرے مسکرا رہے ہیں، ان میں ایک چہرہ سوامی جی کا بھی ہے۔

کیا وہ سوامی جی کا چہرہ ہوسکتا ہے ؟

وشنو پنت سوامی کا چہرہ ؟

دُنیا چاہے کچھ بھی کہے میرا دِل یہ ماننے کو تیّار نہیں تھا کہ یہ باتیں سوامی جی کے دِل سے نکل رہی ہیں۔ سوامی جی اشتعال پھیلانا چاہتے ہیں، تاکہ یہ اشتعال خونریزی میں تبدیل ہو جائے۔

سڑکیں آگ اور خون میں نہا جائیں.....

راستے لاشوں سے پٹ جائیں.....

ساری دُنیا کہتی ہے سوامی جی کا یہی منشا ہے۔

مگر میرا دِل یہ ماننے کو تیّار نہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لاؤڈ اسپیکر سے جو تقریر نشر ہو رہی تھی میرا دِل تو اس پر بھی یقین کرنے کو تیّار نہیں تھا۔لیکن میں اچھی طرح جانتا تھا یہ سوامی جی کی ہی آواز ہے۔سوامی جی کی آواز کو میں جتنی اچھی طرح پہچانتا ہوں شاید ہی کوئی اور پہچانتا ہو گا۔

جس پل کے کنارے میں کھڑا تھا اُسی فلائے اوور پر میرے سر پر ایک بڑی سی ہورڈنگ تھی۔جس پر زعفرانی لباس میں دونوں ہاتھ جوڑے سوامی جی کی بڑی سی تصویر تھی۔

شعلہ بیان، دھرم ویر، دھرم سر کھشک سوامی جی وشنو پنت کا بیان۔

جگہ وہی تھی وقت وہی تھا۔

آج شاید تیسرا دِن تھا۔ابھی آٹھ دس روز اور وہ پروگرام چلے گا۔سوامی جی کی زہریلی تقریر سے لاکھوں افراد کے ذہن

پراگندہ ہوں گے اور اس کا انجام کیا ہوسکتا ہے اس کے تصور سے ہی میں کانپ اُٹھتا ہوں۔

میرا مکان ریلوے لائن کی دیوار سے لگ کر ہے۔اس کے بعد کچے مکانوں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔

اگر چلتی ٹرین سے کوئی ایک آگ کا گولہ بھی اس بستی کی طرف اُچھال دے تو آگ ساری بستی کو جلا کر راکھ کر سکتی ہے اور میرا مکان بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔

اس تصور سے ہی میرے جسم میں ایک جھرجھری سی آ گئی۔

سوامی جی کا بھاشن ختم ہو گیا تھا۔

میدان سے نکل کر بھیڑ برج کی طرف بڑھ رہی تھی۔بھیڑ کی وجہ سے برج پر ٹریفک متاثر ہو رہی تھی۔کچھ لوگ تو آگے اپنی منزل کی طرف بڑھے جا رہے تھے۔کچھ لوگ پل کے کنارے قطار لگا کر کھڑے ہوئے تھے۔شاید اس پل پر سے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سوامی جی کی کار گزرنے والی تھی اور وہ لوگ شاید سوامی جی کا درشن کرنا چاہتے تھے۔

لوگ میرے آگے پیچھے کھڑے ہو گئے اور میں کب اِس قطار کا حصہ بن گیا مجھے پتہ بھی نہیں چل سکا۔

اب صورتِ حال یہ تھی کہ نہ میں قطار چھوڑ سکتا تھا نہ قطار میں شامل رہنے کے لئے میرا دِل چاہ رہا تھا۔

سوامی جی کی کار پل پر نمودار ہوئی تھی۔لوگ سر جھکا کر اُنھیں سلام کر رہے تھے اور سوامی جی ہاتھ اُٹھا کر اُنھیں آشیرواد دے رہے تھے۔

کار جیسے جیسے قریب آ رہی تھی، سوامی جی کا چہرہ واضح ہوتا جا رہا تھا۔

کار میرے سامنے آئی تو بے اختیار میرے ہاتھ بھی سلام کے لئے اُٹھ گئے۔

میری اور سوامی جی کی نظریں ٹکرائیں۔ان کے چہرے پر حیرت کے تاثرات اُبھرے،اُنھوں نے اِشارے سے ڈرائیور کو رُکنے کے لئے کہا۔

"ارے اکبر بابو آپ .... ! اتنے دِنوں کے بعد دِکھائی دئے ؟ آئیے ! اندر آئیے ....." سوامی جی نے آواز لگائی تو میں دفعتاً ساری بھیڑ کی توجہ کا مرکز بن گیا۔

سوامی جی مجھے آوازیں دے رہے تھے۔اُنھوں نے میرے لئے کار کا دروازہ کھول رکھا تھا۔بے ساختہ میں آگے بڑھ گیا۔

کار میں داخل ہو کر سوامی جی کے پہلو میں جا بیٹھا۔اُنھوں نے دروازہ بند کیا اور لوگوں کو درشن دے کے اپنا سفر جاری رکھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھوڑی دیر بعد درشن لینے والوں کی بھیڑ ختم ہو گئی تو اُنھوں نے کار کے شیشے چڑھا دئے۔ایئر کنڈیشن کار میں مجھے سردی محسوس ہونے لگی۔

کار فراٹے بھرتی تارکول کی چکنی سڑک پر آگے بڑھی جا رہی تھی۔

"کہیئے اکبر بابو ! گھر میں سب مزے میں تو ہیں نا ؟بھابھی جی کیسی ہیں ؟ راشد اور اشرف کیسے ہیں ، سارہ تو اب کافی بڑی ہو گئی ہو گی نا ؟ " اُنھوں نے ایک ساتھ کئی سوالات کر ڈالے۔

"ہاں سب مزے میں ہیں۔"میں نے جواب دیا۔"سارہ اخباروں میں آپ کی تصویر دیکھ کر اپنی سہیلیوں کو بڑے فخر سے بتاتی پھرتی ہے کہ یہ میرے سوامی انکل ہیں۔میں ان کی گود میں کھیلتی تھی۔"

"معصوم بچی۔"سوامی جی کے منہ سے نکلا اور وہ کہیں کھو گئے۔

مجھے اس بات کی قطعی توقع نہیں تھی کہ ہزاروں کی بھیڑ میں سوامی جی مجھے اتنی آسانی سے پہچان لیں گے اور بلا کر اپنی کار میں بٹھا لیں گے اور پھر مجھ سے اس طرح باتیں کریں گے جیسے وہ کبھی میری زندگی سے جدا تھے ہی نہیں۔

"آپ اب بھی وہیں اسی لائن کے کنارے والے مکان میں رہتے ہیں نا ؟ " سوامی جی نے پوچھا۔

"ہاں اور کہاں جاسکتے ہیں ؟ اِس بڑے شہر میں مکان تبدیل کرنا اتنا آسان نہیں ہے۔"میں نے جواب دیا۔

"میں جس جھونپڑے میں رہتا تھا، وہ ہے ؟ " اُنھوں نے پوچھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"ہاں ،، میں نے جواب دیا۔"پوتیا (جھونپڑے کے مالک) نے جس شخص کو کرایے پر دیا ہے وہ اب وہاں دیسی شراب کا غیر قانونی اڈّہ چلاتا ہے۔ "

میری بات سن کر سوامی جی کے چہرے پر سخت تاثرات اُبھر آئے۔اُن کے ذہن میں شاید اُن کے اس ماضی کی یاد تازہ ہو گئی تھی جو اُنھوں نے اس میں گزارا تھا۔

"میں آپ کو اپنے گھر لے جا رہا ہوں۔آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے یا گھر جانے میں دیر تو نہیں ہو گی ؟ سوامی جی نے پوچھا۔

"بھلا مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے سوامی جی ؟ " میں نے ہنس کر کہا۔"اور جہاں تک تاخیر کی بات ہے گھر والے میرے تاخیر سے آنے کے عادی ہیں۔ "

"سچ پوچھئے تو بہت دِنوں بعد مجھے کوئی میرا اپنا ملا ہے۔ اِس لئے دِل کھول کر آج میں آپ سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"سوامی جی بولے۔

"یہ آپ کی ذرّہ نوازی ہے سوامی جی ! ورنہ میں کس قابل ؟ " میں نے ہنس کر جواب دیا۔

میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ کبھی سوامی جی سے سامنا ہو گا تو میرے سامنے برسوں پرانے سوامی جی ہوں گے جو میرے مکان کے بازو میں ریلوے لائن کی دیوار سے لگ کر ایک تنگ و تاریک گندی کھولی میں رہتے تھے۔جن کا زیادہ تر وقت میرے اور میرے بچوں کے ساتھ گزرتا تھا۔

میرا خیال تھا سوامی جی مجھے پہچان کر بھی انجان بن جائیں گے اور آگے بڑھ جائیں گے۔کیونکہ میں اُن کا تلخ ماضی ہوں۔آج اُن کے پاس تابناک حال اور روشن مستقبل ہے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پھر بھلا وہ اپنے تلخ ماضی کے بارے میں کیوں سوچیں گے۔؟

میرے مکان کے اطراف جو بھی سوامی جی کو جانتا تھا ان سب کی سوامی جی کے بارے میں اچھی رائے نہیں تھی۔

"سالا کل تک دانے دانے کو محتاج تھا، آج اَن داتا بنا پھر رہا ہے، کل تک لوگوں کی بھیک پر زندہ تھا، آج دونوں ہاتھوں سے دولت لوٹ رہا ہے، لوگ اُس پر دولت کی بارش کر رہے ہیں۔"

"سوامی سے پولیٹیکل سوامی بن گیا۔کل تک مندر میں جب پروچن کرتا تھا تو کتے بھی اس کے پروچن کو سننے نہیں آتے تھے۔آج جب گرگٹ کی طرح رنگ بدلا ہے، دھرم کو سیاست کے ساتھ ملا کر بھاشن دیتا ہے تو اس کے بھاشن کو سننے لاکھوں لوگ آتے ہیں۔"

سب کے خیالات اس سے بھی گرے ہوئے تھے۔

جہاں تک میرا خیال تھا سوامی جی کے اس رویّے پر مجھے خود بے حد دُکھ ہوتا تھا۔

میں نے سوامی جی کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔اُن کو میں اچھی طرح جانتا تھا، اس وجہ سے کبھی میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ سوامی جی اس طرح گرگٹ کی طرح رنگ بدلیں گے۔

کل تک بھائی چارہ، اخوت، اپنا پن، مساوات، انسانیت کا درس دینے والے سوامی جی لوگوں کو نفرت بانٹتے پھریں گے۔

اشتعال انگیز تقریروں کے ذریعہ لوگوں کے دِلوں میں نفرت کا یہ بیج بو کر اُنھیں ایک دُوسرے کے خون کا پیاسا بنائیں گے۔

لیکن یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ ہی نہیں تھی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

روزانہ اخبارات میں سوامی جی کے جلسوں کی رپورٹیں تصویروں کے ساتھ شائع ہوتی تھیں اُن کی زہریلی تقریروں کو نمایاں انداز میں شائع کیا جاتا تھا۔

یہاں تک یہ بات مشہور ہو گئی تھی۔

سوامی جی نے جس شہر میں تقریر کر دی اُس شہر میں فرقہ ورانہ فساد ہونا لازمی ہو جاتا تھا۔

گذشتہ دو سالوں میں میں نے خود سوامی جی کے دو تین جلسوں میں شرکت کی تھی۔لیکن میں سوامی جی کی پوری تقریر نہیں سن سکا۔جو جو زہر اُنھوں نے اس تقریر میں اُگلا تھا، میں کوئی شکر نہیں تھا جواس زہر کو اپنے حلق کے نیچے اُتار لیتا۔

میں چپ چاپ جلسہ سے اُٹھ آیا۔

آج بھی اس مقام پر میں سوامی جی کے جلسے میں شریک ہونے کے لئے نہیں آیا تھا۔

بلکہ اس پل سے گزر رہا تھا تو اس ہورڈنگ پر نظر پڑی۔اور نیچے میدان میں لگے لاؤڈ اسپیکروں سے سوامی جی کی آواز سنائی دی تو رُک گیا۔

اور اب جب سوامی جی کی کار میں ان کے ساتھ ایک انجان منزل کی طرف جا رہا تھا تو سوامی جی سے کیا بات کروں میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

میری آنکھوں کے سامنے ایک سیدھا سادہ برہمن گھوم رہا تھا جو میرے پڑوس میں رہتا تھا۔

اس علاقے کے ایک غنڈے نے ریلوے لائن کے قریب کی زمینوں پر ناجائز قبضہ کر کے ایک جھونپڑ پٹی بسائی تھی۔ اس میں میرا بھی ایک کرایے کا مکان تھا۔جس کا میں باقاعدگی سے اس غنڈے پوتیا کو کرایہ دیتا تھا۔پھر اس نے میرے مکان اور ریلوے لائن کی دیوار کے درمیان جو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھوڑی سی جگہ بچی تھی اس جگہ بھی ایک جھونپڑا بنا دیا۔دو دن بعد اس میں ایک نیا کرایہ دار بھی آگیا۔

یہ کوئی بنارس کا پنڈت تھا۔

سوامی وشنو پنت اور ان کی بیوی۔

بنارس کے گھاٹوں پر پوجا پاٹ کر کے وہ اپنا اور اپنے خاندان والوں کا گزر بسر کرتے تھے۔بنارس میں اچھا مکان تھا۔بال بچے تھے جو پڑھ رہے تھے۔لیکن پوجا پاٹھ سے اتنا پیسہ نہیں ملتا تھا کہ جس سے اپنا اور اپنے خاندان والوں کا پیٹ بھر سکے۔

کسی نے مشورہ دیا۔"پنڈت جی آپ ممبئی کیوں نہیں چلے جاتے ؟ بہت بڑا شہر ہے لوگ اتنے دھارمک تو نہیں ہیں لیکن دھرم کے کاموں میں بے انتہا پیسہ خرچ کرتے ہیں۔ان کے پاس دھرم کے کام کرنے کے لئے وقت نہیں ہے۔ہاں پیسہ دے کر وہ کام ضرور کرواتے ہیں۔

اپنی پوجا پاٹھ سے اچھی آمدنی کا خواب لے کر سوامی جی بنارس سے ممبئی آئے تھے اور اس گندی بستی میں رہنا بھی قبول کر لیا تھا۔

سویرے سورج نکلنے سے پہلے ہی گھر چھوڑ دیتے تھے۔تو رات دیر گئے واپس گھر آتے تھے۔

پنڈتائن گھر میں اکیلی رہتی تھی۔اس کا زیادہ تر وقت ہمارے گھر میں میری بیوی اور بچوں کے ساتھ گزرتا تھا۔

سوامی جی دِن بھر شہر کے مندروں کی خاک چھانتے پھرتے تھے۔شاید کسی مندر میں اُنھیں مستقل طور پر پوجا پاٹ کا کام مل جائے۔لیکن اس خاک نوردی سے انھیں پتا چلا تھا کہ ان مندروں پر پہلے ہی دو دو تین تین پجاریوں نے قبضہ کر رکھا ہے اور وہ کسی اور کی دال گلنے نہیں دیتے ہیں۔

ایسے میں وہ ایسے گاہک ڈھونڈتے تھے جو اُنھیں گھر لے جا کر ان سے پوجا پاٹ کرائے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دِن میں ایک آدھ گاہک مل جائے تو اتنا مل جاتا تھا کہ دونوں اپنا پیٹ بھر سکے۔

"زمانہ بہت خراب آگیا ہے اکبر بابو !،،وہ روزانہ مجھے دِن بھر کی رُوداد سناتے تھے۔"لوگوں کا اب دھارمک کاموں میں وشواس اور شردھا نہیں رہی ہے۔بڑے سے بڑے پاٹھ کی دکھشنا ۵ اور ۱۱ روپیہ دیتے ہیں۔ سمجھ لیجئے بنارس سے برا حال یہاں ہے، مجھے لگ رہا میں نے ممبئی آ کر غلطی کی ہے۔"

میں سوامی جی کا شاگرد بن گیا تھا۔سوامی جی ایسی باتیں بتاتے تھے جو میں ساری عمر نہیں جان پاتا۔میرا دِل چاہتا تھا سوامی جی کہتے رہیں اور میں سنتا رہوں۔

اس لئے اکثر اتوار کو جب مجھے چھٹی ہوتی تھی میں سوامی جی کے ساتھ مندر جاتا تھا۔

مسلمان ہونے کے ناطے مندر میں تو نہیں جاسکتا تھا، مندر کے باہر گھنٹوں بیٹھ کر مندر میں ہوتا سوامی جی کا پاٹھ سنتا تھا۔سوامی جی کی محبت،بھائی چارے، اخوت، مساوات، انسانیت کا سبق دینے والی باتیں۔مجھے وہ انسان کے رُوپ میں فرشتہ محسوس ہوتے تھے۔

اُنھوں نے ایک سال ہمارے پڑوس میں گزارا ہو گا۔لیکن اُن کی حالت غیر رہی۔کسی دوکان کے افتتاح کی پوجا ہو یا کسی کا شرادھ، تین چار گھنٹے پوجا کرنے پر بھی ۱۱ روپیہ یا ۵۱ روپیہ ہی ملتا تھا۔اس میں سوامی جی اپنا خرچ بھی چلاتے اور اپنے بچوں کو بھی پیسہ بھیجتے جو بنارس میں تھے۔

ہر روز کہیں نہ کہیں کسی موضوع پر پاٹھ دیتے لیکن ان کے مطابق اس پاٹھ کو سننے والے دس بارہ لوگ بھی نہیں ہوتے ہیں۔

ایک دِن اُنھیں ایک نئی قسم کی پیش کش ملی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایک سیاسی پارٹی نے گئو رکشا کے موضوع پر ایک جلسہ رکھا تھا۔اُنھیں اِس جلسہ میں اِس موضوع پر بولنا تھا۔سیاسی پارٹی والوں نے ان سے کہا تھا کہ وہ دھرم کے ساتھ ساتھ کچھ سیاست پر بھی بولیں۔اِس جلسے میں وہ بولے اور سیاسی پارٹی کے افکار کے مطابق بولے، جلسے میں تالیاں بجتی رہیں اور وہ لوگوں پر چھا گئے۔سیاسی پارٹی والوں کو لگا کہ اس آدمی کے ذریعہ وہ اپنی سیاسی دوکان چلا سکتے ہیں۔انھوں نے اسے ایک نیا نام سوامی وشنو پنت جی دیتے ہوئے ان سے ۱۰ ، ۱۲جلسے کرائے۔

تمام جلسے کامیاب رہے، ہر جلسے میں سوامی جی کی تقریر کا انداز جارحانہ ہوتا جاتا تھا۔اور لوگوں کی بھیڑ بڑھتی جا رہی تھی اور مقبولیت بھی۔

چند مہینوں کے اندر وہ ایک مشہور و معروف شخصیت بن گئے۔اور اپنا پرانا مکان چھوڑ کر ایک مشہور علاقے میں رہنے

چلے گئے۔اس کے بعد سوامی جی نے اس پارٹی کے لئے صرف اشتعال انگیز تقاریر کیں۔

کار ایک بہت بڑے بنگلے میں جا کر رُکی تھی۔میں کار سے اُترا تو اِس بنگلے کی شان و شوکت دیکھ کر میری آنکھیں چوندھیا گئیں۔

"یہ میرا بنگلہ ہے۔"سوامی جی فخر سے بولے۔"ملک کے کئی حصوں میں اس طرح کے میرے کئی بنگلے ہیں ، میرے بچے بڑے بڑے کالجوں میں پڑھتے ہیں ، میرے کئی دھندے ہیں۔ "

میں صوفے پر بیٹھ کر سوامی جی کی امارت کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتا رہا۔

"اکبر بابو ! آج اگر میں کسی کی دوکان یا بزنس کا افتتاح کرتا ہوں تو اسے بہت بڑی سعادت سمجھتا ہے اور اس کے بدلے میں مجھے لاکھوں روپیہ دیتا ہے۔بڑے بڑے لوگ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اپنے مردہ رشتے داروں کے دھارمک کاریہ مجھ سے کروانے میں فخر سمجھتے ہیں اور اس کے بدلے مجھے لاکھوں روپیہ دیتے ہیں۔جس جگہ میرا جلسہ ہوتا ہے لوگ مجھے پیسوں میں تولتے ہیں۔کل ان ہی کاموں کے بدلے مجھے دس روپیہ مشکل سے مل پاتے تھے۔آج میرے چاروں طرف دولت رہتی ہے۔"سوامی جی بولے۔

"فرق صرف اتنا ہوا ہے کہ میں لوگوں کے میزان کے مطابق بولتا ہوں اور عوام کا میزان کیا ہے، جانتے ہو... ؟ جب میں لوگوں کو اخوت، بھائی چارے، انسانیت اور دھرم کا اُپدیش دیتا تھا تو میری باتوں کو سننے والے دس بیس آدمی نہیں ہوتے تھے اور میں کوڑی کوڑی کا محتاج تھا۔لیکن آج جب میں لوگوں کو فرقہ پرستی، نفرت، اشتعال انگیزی کی ترغیب دیتا ہوں تو لاکھوں لوگ میرے جلسوں میں شریک ہوتے ہیں۔میرے ماننے والے کروڑوں ہیں۔

میرے ایک ایک بول کے بدلے مجھے لاکھوں روپیہ دیا جاتا ہے، کل میں ایک ایک لفظ اپنے دِل سے بولتا تھا تو کوڑی کوڑی کا محتاج تھا۔آج جب ایک ایک لفظ اپنے دِماغ سے بولتا ہوں تو کروڑوں میں کھیلتا ہوں۔"سوامی جی کی بات سن کر میں کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

"کس سوچ میں ڈوب گئے اکبر بابو ! " سوامی جی نے پوچھا۔

"دُنیا کے میزان کے بارے میں سوچ رہا ہوں سوامی جی، جس پر آپ تُلے ہیں۔ "

تاریکی

راستے میں رگھو ویر مل گیا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رگھو ویر کو دیکھ کر وہ پہچان ہی نہیں سکے۔وہ اتنا بدل گیا تھا۔جب وہ ان کے ساتھ کام کرتا تھا تو دبلا پتلا ہوا کرتا تھا۔جسم پر ٹھیک ڈھنگ کے کپڑے بھی نہیں ہوتے تھے۔ لیکن اسوقت اس کے جسم پر کافی قیمتی کپڑے تھے۔اور جسم کے حجم میں کافی اضافہ ہو گیا تھا۔

انھوں نے ہی اسے آواز دی۔

"ارے رگھوویر " !

"کون .... ارے شندے صاحب ! "رگھوویر اُنھیں دیکھ کر حیرت میں پڑ گیا۔

"یہ آپ ہیں ؟ "

"ہاں میں ہی ہوں۔"اُن کے چہرے پر ایک پھیکی مسکراہٹ اُبھر آئی۔

"یہ آپ نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے ؟ " رگھو نے حیرت سے اُنھیں دیکھا۔

بولا۔"آپ کتنے دُبلے ہو گئے ہیں ، آنکھیں اندر دھنس گئی ہیں۔کیا آپ بیمار ہیں ؟ "

"دُنیا میں بیکاری سے بڑھ کر اور کیا بیماری ہوسکتی ہے ؟ " اُنھوں نے تاسف سے کہا۔

"کیا آپ کے کیس کا ابھی تک فیصلہ نہیں ہوسکا ؟ " اس نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں ،، اُنھوں نے کہا پھر موضوع بدلنے کے لئے پوچھا۔" اور بتاؤ، کیسے بیت رہی ہے ؟ "

"بھگوان کی دیا ہے شندے صاحب۔"رگھو بولا۔"ترقی ہو گئی ہے، ترقی کر کے ہیڈ بن گیا ہوں۔بڑے لڑکے کو سوفٹ ویر کروا دیا تھا، وہ ایک فرم میں لگ گیا ہے۔چھوٹا ہارڈ ویر کر رہا ہے۔اس کی اپنی دوکان کھولنے کا اِرادہ ہے، چھوٹی لڑکی کالج کے آخری سال میں ہے، لال باغ والا کمرہ چھوڑ دیا، وسئی میں ایک فلیٹ لے لیا ہوں۔"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گذشتہ پانچ سالوں کی کہانی رگھو نے چند جملوں میں بیان کر دی اور باقی کا اندازہ اُنھوں نے اس کی حالت سے لگا لیا۔ پھر اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد رگھو نے آخر تیر چلا ہی دیا۔

"شندے صاحب ! میں آپ کو بار بار سمجھاتا تھا۔مانا ہم جہاں کام کرتے ہیں وہاں پیسہ ہی پیسہ ہے۔وہاں بیٹھ کر ہم اپنی کُرسی کے ذریعہ بے شمار دولت کماسکتے ہیں۔لیکن وہ پیسہ ہمیں سکون نہیں دے سکتا۔کبھی نہ کبھی تو اس کا انجام برا ہی ہونا ہے۔اور ہوا بھی وہی۔آپ رشوت لیتے پکڑے گئے اور معطل کر دئے گئے۔آپ کا کیس ابھی تک چل رہا ہے اور اب آپ خود کہتے ہیں کہ اس کیس میں آپ کا بچنا مشکل ہے۔آپ کو رشوت لینے کے جرم میں پانچ، چھ سال کی قید ہو جائے گی۔نوکری سے نکال دئے جانے کے بعد آپ کا گھر ٹوٹ کر بکھر گیا۔میں وہ راستے پر نہیں چلا جس پر آپ

جاتے تھے۔آج بھی اپنے اُصولوں پر قائم ہیں ، پہلے تکلیف کے دِن تھے، آج بھگوان نے راحت دے دی ہے۔کاش آپ بھی میری رائے پر چلتے۔ "

گھر آ کر وہ بہت دیر تک رگھو کے بارے میں سوچتے رہے۔

کیا رگھو کی راہ پر چل کر اُنھیں وہی راحت ملتی جو رگھو کو ملی ہے ؟ ممکن ہے مل جاتی۔

اُنھوں نے جو راستہ اپنایا تھا اُس وقت اُنھوں نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ ان کا انجام ایسا ہوسکتا ہے۔کل ہی وہ اپنے وکیل سے مل آئے تھے۔

وکیل نے فیس کا مطالبہ کیا تھا۔جب اُنھوں نے اسے اپنی حالت بتائی تو وہ اُن پر غصہ ہو گیا تھا

"شندے صاحب ! آپ کا کیس آخری اسٹیج پر ہے اور اس اسٹیج پر آپ کو پیسوں کی سخت ضرورت ہے۔ہر فیصلہ آپ کو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اپنے حق میں کروانا ہے تاکہ آپ با عزت طریقے سے دوبارہ ڈیوٹی پر جوائنٹ ہو جائیں اور آپ پر لگا رشوت لینے کا الزام جھوٹا ثابت ہو جائے۔اس کے لئے عدالت کے کلرک، چپراسی سے جج تک ہر کسی کو پیسہ دے کر فیصلہ آپ کو اپنے حق میں کرنا ہو گا اور آپ کہہ رہے ہیں کہ آپ کے پاس پیسہ نہیں ہے۔یاد رکھئے اس وقت آپ کے پاس پیسے کی کمی آپ کو مجرم ثابت کر سکتی ہے۔آپ کو رشوت لینے کے جرم میں سزا ہو جائے گی اور آپ دوبارہ پھر کبھی نوکری پر جوائن نہیں ہو پائیں گے۔ "

لیکن وہ اسے کیا بتائیں۔اس وقت وہ پینے کے لے ایک سگریٹ کے محتاج ہیں۔تو بھلا فیصلہ اپنے حق میں کروانے کے لیی اتنا پیسہ کہاں سے لائیں۔

واپس گھر آتے وقت راستہ بھر ان کے دماغ میں وکیل کی باتیں گونجتی رہیں اور آنکھوں کے سامنے جیل کی سلاخیں

منڈلاتی رہی۔اُس وکیل کو اُنھوں نے گذشتہ پانچ سالوں میں چار پانچ لاکھ روپیہ فیس کے طور پر دیا ہو گا۔لیکن وہ اب بھی فیس مانگ رہا ہے اور صاف کہہ رہا ہے اگر اُنھوں نے فیس کا انتظام نہیں کیا تو فیصلہ اُن کے خلاف ہوسکتا ہے۔

گھر واپس آئے تو بیوی نے ترش لہجے میں پوچھا۔

"وکیل کے پاس گئے تھے ؟ "

"ہاں " !

"اس نے کیا کہا ہے ؟ "

"کہہ رہا ہے اگر ہم نے فیس کا انتظام نہیں کیا تو فیصلہ ہمارے حق میں نہیں ہو پائے گا۔ "

"گھر میں کھانے کے لالے پڑے ہیں ، میں کس طرح گھر چلا رہی ہوں ، میرا حال مجھ کو معلوم ہے۔ایسے میں بھلا فیس کا انتظام کہاں سے ہوسکتا ہے۔اس کیس سے تو اب

www.iqbalkalmati.blogspot.com

طبیعت بیزار ہو گئی ہے۔دو ٹوک جو بھی فیصلہ ہو جائے تو چھٹی مل جائے گی۔رشوت لیتے وقت آپ کو یہ سوچنا چاہئے تھا کہ اس برے کام کی وجہ سے آپ پر ہمارے گھر پر یہ برا وقت بھی آسکتا ہے۔ "

بیوی کی باتیں اُنھیں سوئی کی طرح چبھتی محسوس ہوئی۔

اب بیوی بار بار اُنھیں کوستی ہے کہ اُنھوں نے رشوت کیوں لی۔رشوت لینے کا غلط کام کیوں کیا۔جس کی وجہ سے وہ اِس مصیبت میں پڑے ہیں۔

لیکن جب وہ اِس کے لئے نئی نئی ساڑیاں ، بچوں کو اچھے اچھے کپڑے، گھر کے لئے قیمتی سامان لائے تھے اُس وقت بیوی نے نہیں پوچھا کہ آپ کی تنخواہ تو اتنی کم ہے، ہماری آمدنی کا کوئی ذریعہ بھی نہیں ہے پھر یہ اتنا قیمتی سامان اور اِس کے لئے اتنا پیسہ کہاں سے آتا ہے ؟ جب لوگ گھر پر ان سے ملنے کے لئے آتے تھے تو وہ ان کی چائے پانی

اور خوب خاطر مدارات کرتی تھی۔کبھی اس نے انھیں اس بات کے لئے نہیں ٹوکا کہ یہ لوگ ان سے ملنے گھر پر کیوں آتے ہیں۔آفس کا کام ہے تو آفس میں کیوں نہیں ملتے ؟ بڑی بڑی رقمیں جب وہ بیوی کے پاس رکھنے کے لئے دیتے تھے تو بیوی نے کبھی نہیں پوچھا تھا کہ اِتنی بڑی رقم کہاں سے آئی ؟ اور اب بات بات پر اُنھیں اِس بات کے لئے طعنہ دیتی ہے۔شاید اس وقت وہ اُنھیں ایک بار بھی ٹوک دیتی تو جس راستے پر وہ چل رہے تھے اس سے واپس مڑنے کے بارے میں سوچتے۔

پانچ سال میں وہ کتنی بدل گئی تھی۔

صرف بیوی کو کیوں دوش دیں ؟ گھر کا ہر فرد بدل گیا تھا۔

تینوں بچے بھی اب اُنھیں خاطر میں نہیں لاتے تھے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جب انھیں رشوت لیتے گرفتار کیا گیا ہے اور سروس سے معطل کر دیا تھا، اُس وقت بڑے لڑکے نے ایس۔ایس۔سی پاس کیا تھا۔وہ پڑھنے لکھنے میں بہت ہوشیار تھا۔اسے وہ انجینئر بنانا چاہتے تھے اور اس کے لئے اُنھوں نے پورا انتظام کر لیا تھا۔ایک بڑے کالج کی پوری فیس اُن کے پاس تیّار تھی۔

مگر وہ گرفتار کر لئے گئے اور حوالات جانے سے بچنے کے لئے اُنھیں پولس کو وہ ساری رقم دینی پڑی۔رقم دینے کا صرف یہ فائدہ ہوا کہ ان کے خلاف آگے اور کوئی انکوائری نہیں ہوسکی۔ورنہ ان کی ہر چیز کی انکوائری کا آرڈر تھا۔

لڑکا انجینئرنگ کالج نہیں جاسکا، اُس نے گیارہویں میں داخلہ لے لیا۔لیکن چھ مہینے کے بعد ہی ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ اسے کالج چھوڑنا پڑا اور گھر چلانے کے لئے مجبوراً وہ چھوٹے موٹے کام کرنے لگا۔چھوٹا لڑکا دسویں میں فیل ہو

گیا۔اس کی وجہ سے وہ آگے تعلیم جاری نہیں رکھ سکا، نہ کوئی کام کر سکا۔آوارہ لڑکوں کی صحبت میں پڑ گیا۔اُس کے بارے میں اُنھیں پتا چلا کہ وہ غلط دھندے بھی کرنے لگا ہے۔کئی بار اُسے پولس پکڑ کر لے گئی۔لیکن اُسے چھڑانے کے لئے اُنھیں پولس اسٹیشن جانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی وہ خود ہی چھوٹ کر اور سارے معاملات کو نپٹا کر آگیا یا وہ جن لوگوں کے ساتھ رہتا تھا اُنھوں نے ہی اُسے رِہا کرا لیا۔

چھوٹی لڑکی کا دِل بھی اسکول کی پڑھائی میں نہیں لگتا تھا۔ اُس نے پڑھائی چھوڑ دی اور سلائی سیکھنے لگی۔اِس کے بعد وہ چھوٹے موٹے کام کرنے لگی۔

پھر اس کے بعد اُنھیں پتا چلا کہ وہ آوارہ لڑکوں کے ساتھ بدنام جگہوں پر گھومتی ہے، رات دیر سے گھر واپس آنے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لگی تو ایک بار اُنھوں نے اُسے ٹوکا جس پر وہ اُن سے جھگڑا کرنے لگی۔

"میں کام کرنے کے لئے گھر سے باہر جاتی ہوں تاکہ دو پیسے ملے تو گھر چل سکے۔آپ کی طرح گھر میں بیٹھی نہیں رہتی ہوں۔"ماں بھی لڑکی کی طرف داری کرنے لگی۔

"خود تو کوئی کام دھندا نہیں کرتے، دِن بھر گھر میں بیٹھے رہتے ہو، ہم گھر چلانے کے لئے کوئی چھوٹا موٹا دھندہ کرتے ہیں تو ہمارے پیچھے پڑ جاتے ہو۔ "

ماں بیٹی کی طرف داری کر رہی تھی۔اس کی وجہ وہ جانتے تھے۔کیونکہ وہ بھی بیٹی کے رنگ میں بہت پہلے ہی رنگ چکی تھی۔

اُن کے معطّل ہونے کے ایک سال بعد ہی وہ چھوٹے موٹے کام کرنے کے لئے گھر سے باہر جانے لگی تھی۔

کچھ دِنوں کے بعد ہی اُنھیں رپورٹ ملنے لگی تھی کہ وہ کام کی آڑ میں آوارہ گردی کرتی ہے۔

ایک دو بار اِس بات پر اُن کا جھگڑا بھی ہوا تھا۔اُس کا جواب تھا۔

"ٹھیک ہے، میں گھر میں رہتی ہوں ، تم جاؤ کوئی کام کرو۔کچھ کما کر لا کر دو اور پہلے کی طرح گھر کا خرچ چلاؤ۔"

یہ ایسا جواب تھا جس کو سن کر وہ بے حس ہو گئے۔وہ کام کرنے کے لئے گھر سے باہر جائیں یہ ٹھیک ہے۔لیکن وہ کیا کام کریں ؟

آدھی زندگی سرکاری نوکری کرتے گزری تھی۔اب وہ دُوسرا کیا کام کر سکتے تھے، کسی دوکان پر سیلس مین کا کام کر سکتے تھے نہ کسی پرائیویٹ آفس میں کلرک کا۔ایک ادھیڑ عمر شخص کو کام پر رکھنے سے بہتر وہ کسی نوجوان کو کام پر رکھنا پسند کرتے تھے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جہاں وہ پہچان لئے جاتے اُن کے ساتھ جانوروں سا سلوک کیا جاتا تھا۔

"ارے شندے صاحب ! آپ ہمارے یہاں نوکری کریں گے ؟ آپ تو سارے شہر کو نوکر رکھ سکتے ہیں۔اِس لئے ہمارے یہاں نوکری کر کے اپنی شان کیوں جھوٹی کرنا چاہتے ہیں ؟ "

مایوسی سے واپس مڑتے تو ایک بازگشت پیچھا کرتی۔

"ارے ایک حرامی سرکاری آفیسر ہے، بنا رشوت کے کوئی کام نہیں کرتا تھا۔رشوت لیتے ہوئے پکڑا گیا، آج کل معطل ہے۔بہت لوگوں کو ستایا ہے اب اس کے پاپوں کی سزا اُسے مل رہی ہے۔ "

اُنھیں محسوس ہوتا جب وہ کُرسی پر براجمان تھے تو جو لوگ اُن کے ساتھ ادب سے پیش آتے تھے، اُن کی عزت کرتے تھے، اُنھیں بار بار سلام کرتے تھے، آج اُنھیں دیکھ کر

نفرت سے منہ پھیر لیتے ہیں۔اگر وہ خود سے اُن سے بات کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ اُن کے زخموں کو کُرید کر اُن پر نمک چھڑکتے ہیں۔

"کہیئے شندے صاحب، کیسے ہیں ؟ "رشوت لیتے پکڑے گئے تھے نا ؟نوکری تو جاتی رہی، سنا ہے جیل کی ہوا کھانی پڑے گی۔اب کس طرح گزر بسر ہوتی ہے ؟ کیا آج کل آپ کوئی کام تلاش کر رہے ہیں ؟۔اگر مل جائے تو برائے کرم وہاں بھی وہی کام مت کیجئے گا۔وہ سرکاری دفتر تھا، جہاں آپ حاکم تھے، ہر جگہ آپ حاکم نہیں ہوسکتے۔ "

اِن طعنوں کی وجہ سے اُنھوں نے کہیں آنا جانا ہی چھوڑ دیا تھا۔گھر میں بیٹھے رہتے اکیلے، کیونکہ گھر میں کوئی نہیں ہوتا تھا۔بیوی کام پر چلی جاتی تھی۔بڑا لڑکا بھی کام پر ہی جاتا تھا۔ چھوٹا لڑکا اور لڑکی کہاں آوارہ گردی کرتے رہتے تھے، اُن کو ٹوکنے کی ان میں ہمت بھی نہیں تھی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایک زمانہ تھا، ان کا بڑا دبدبہ تھا۔

وہ ایسے محکمے میں تھے جہاں پیسہ ہی پیسہ تھا۔مجبور، ضرورت مند افراد وہاں پیسہ دے کر ہی اپنا کام کرواتے تھے اور اُنھوں نے بھی پیسہ لے کر کام کرنے کا اپنا اُصول بنا لیا تھا۔

جس سے مطلوبہ رقم مل گئی اس کا کام منٹوں میں ہو گیا جس نے پیسے نہیں دئے سالوں تک اُن کے آفس کے چکّر کاٹتا رہا۔

وہ غلط صحیح ہر طرح کا کام کرتے تھے۔ صحیح کام کرنے کی بھی قیمت ادا کرنی پڑتی تھی۔غلط کاموں کے لئے تو کچھ زیادہ ہی قیمت دینی پڑتی تھی۔

گھر میں دولت کی ریل پیل تھی۔وہ اپنے ساتھ آفس سے روزانہ ہزاروں روپیہ لاتے تھے۔

بیوی قیمتی کپڑوں اور زیورات میں لدی جا رہی تھی، گھر میں قیمتی آرائشی سامان آ رہا تھا، بچے اِس چھوٹی سی عمر میں ہزاروں روپیہ روزانہ اُڑا دیتے تھے۔

کچھ لوگ سمجھاتے بھی تھے کہ وہ جس راستے پر جا رہے ہیں وہ غلط ہے۔کسی دِن اس کا خاتمہ کسی تاریک غار میں ہوسکتا ہے۔

لیکن اُنھیں کسی کی پرواہ نہیں تھی۔

اُنھوں نے اس درمیان اپنا رُسوخ بھی بنا لیا تھا۔اُنھیں یقین تھا اگر ان کے ہاتھوں سے کوئی لغزش ہو جائے تو وہ لوگ اُنھیں بچا لیں گے۔

لیکن اُنھیں کوئی بھی نہیں بچا سکا۔

ایک سرپھرے سے اُنھوں نے کام کے لئے رشوت مانگی، اُس نے انکار کیا تو اُسے اتنا مجبور کر دیا کہ وہ رشوت دینے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے لئے مجبور ہو گیا۔رشوت لے کر اُنھوں نے اس کا کام کیا۔

لیکن وہ اینٹی کرپشن میں رپورٹ کر چکا تھا۔

اینٹی کرپشن والے جال بچھا چکے تھے۔وہ جال میں پھنس گئے۔اور رشوت لیتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑے گئے۔

فوراً معطل کر دئے گئے اور کیس شروع ہوا۔

اِس کیس کو کمزور کرنے کے لئے اور خود کو دُوسری کاروائیوں سے بچانے کے لئے اُنھوں نے گھر میں جمع سارا پیسہ لگا دیا۔کل تک وہ لوگوں سے رشوت لیتے تھے۔

آج وہ خود کو بچانے کے لئے کو رشوت دے رہے تھے۔

اُنھوں نے سب کو خرید لیا۔

لیکن جس سے اُنھوں نے رشوت لی تھی اور جس نے اُنھیں رشوت دیتے ہوئے پکڑوایا تھا وہ اڑا رہا۔

پیسہ یا کوئی بھی دباؤ اُسے جھکا نہیں سکا۔

وہ آج تک اپنی بات پر ڈٹا ہوا تھا جیسے اُس نے اُنھیں برباد کرنے کی ٹھان لی ہو۔

اور ان پانچ سالوں میں اُس نے اُنھیں پوری طرح برباد کر دیا تھا۔

عزت، گھر بار، بیوی بچے، دولت، شہرت سب تو لُٹ گئی تھی۔

نیم جان تن پر بس آخری وار ہونا باقی تھا۔

فیصلہ اُن کے خلاف جائے اور اُنھیں رشوت لینے کے جرم میں سزا ہو جائے۔

اور اُن کی دوبارہ نوکری پانے کی آخری اُمید بھی ٹوٹ جائے۔

جو اُنھوں نے راستہ اپنایا تھا وہ تاریکی بھرا تھا۔لیکن وہ اُنھیں روشن محسوس ہوتا تھا۔اِس تاریک راستے پر چلتے وہ تاریکی میں گم ہو گئے۔

اِ س لئے اُن کا خاتمہ بھی اِسی تاریکی میں ہونے والا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رات دو بجے کے قریب ریلیف کیمپ پر حملہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی جس سے کیمپ میں مقیم تمام پناہ گزیں خوف اور سکتے میں آ گئے تھے۔

حملہ آور کتنے اور کون تھے ؟کچھ پتا نہیں چلا تھا۔وہ رات کے اندھیرے میں آئے تھے اور ریلیف کیمپ کے باہر اُنھوں نے اشتعال انگیز نعرے لگائے تھے اور پتھراؤ کیا تھا۔

"جے شری رام، جے شری رام " ! ...

"آبادی بڑھانے کے کارخانے بند کرو، بند کرو۔ "

"پاکستان پہونچا دیں گے، قبرستان پہونچا دیں گے۔ "

کیمپ میں کوئی حفاظتی دستہ تو تعینات نہیں تھا، کبھی کبھار ایک آدھ سپاہی آ کر کیمپ میں چکّر لگا جاتا تھا۔اس وقت وہ

بھی غائب تھا۔نعروں کی آواز سے پورے کیمپ میں دہشت پھیل گئی۔

ہر فرد جاگ گیا۔

اب آگے کیا ہونے والا ہے اس کے بارے میں سوچ کر ہر فرد دہشت زدہ تھا۔

کچھ دِنوں قبل جو کچھ ان کے گھروں میں ، ان کے محلوں میں ان کے ساتھ ہوا تھا اب ایسا محسوس ہو رہا تھا، وہی سب کچھ اِس ریلیف کیمپ میں بھی ان کے ساتھ ہونے والا ہے۔جہاں وہ دو ماہ سے اپنے آپ کو محفوظ محسوس کر رہے تھے۔

"لگتا ہے شرپسندوں نے کیمپ پر حملہ کر دیا ہے۔اگر اِنھیں روکا نہیں گیا تو وہ اندر گھس آئیں گے اور وہی سب کچھ ہو گا جو ہمارے ساتھ ہوا ہے۔ "

انھیں روکنا چاہئے۔ "

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"آؤ آگے بڑھو۔ "

کیمپ کے پناہ گزینوں نے آپس میں رائے مشورہ کیا اور پھر وہ کیمپ کے دروازے کی طرف بڑھے۔باہر اندھیرے میں شرپسند نعرے بازی کر رہے تھے، پتھراؤ کر رہے تھے، پتھر کیمپ میں آ آ کر گر رہے تھے جس سے دوچار لوگ زخمی بھی ہوئے...

" .جواب دیا جائے نعرۂ تکبیر اللہ اکبر۔"؟

کسی نے نعرہ بلند کیا اور فوراً جواباً پتھر چلائے جانے لگے۔

ایک منٹ بعد ہی نعرے بھی بند ہو گئے اور پتھراؤ بھی رُک گیا۔حملہ آور بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔

لیکن اس کیمپ کے مکین ایک لمحہ کے لئے بھی سو نہیں سکے تھے، ایک خوف چھایا ہوا تھا،حملہ دوبارہ ہوسکتا ہے، اس سے بہتر ہے جاگا جائے۔

وہ رات بھر جاگتے رہے۔

سورج کے نکلنے کے ساتھ خوف کا احساس کچھ کم ہوا۔

لیکن پورے کیمپ پر تناؤ چھایا رہا۔

یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ کیمپ پر شرپسندوں نے حملہ کیا ہے اور شرپسندوں کو روکنے کے لئے ایک سپاہی بھی وہاں موجود نہیں تھا۔

میڈیا کے لوگ پہونچ گئی اور اِس سلسلے میں ریلیف کیمپ میں مقیم مکینوں سے بات چیت کرنے لگے اور ان کے بیانات کی بنیاد پر خبریں تیّار کر کے اپنے اپنے چینل اور اخبارات کو روانہ کرنے لگے۔

برسِراقتدار پارٹی کے ایک دو لیڈر بھی آئے اور اُنھوں نے وہی بیانات دئے جس کی اُن سے توقع تھی یا جو اُن کی فطرت میں رچا بسا تھا۔

"کیمپ میں پناہ گزینوں کی آڑ میں ملک دُشمن، غنڈے عناصر جمع ہیں اور وہی ہمارے لیڈران، حکومت، پارٹی، تنظیم

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کو بدنام کرنے کے لئے اِس طرح کی حرکتیں کر رہے ہیں۔
ان غنڈوں نے کیمپ سے گزرنے والے ہمارے پارٹی ورکروں پر پتھراؤ کیا تھا جواب میں اُنھوں نے بھی پتھراؤ کیا اور نعرے لگائے اس کے علاوہ کوئی بات نہیں ہے جس کا بتنگڑ بنایا جا رہا ہے۔ضرورت اِس بات کی ہے کہ ان ملک دُشمن عناصر، آئی۔ایس۔آئی کے ایجنٹوں کو ان کیمپوں سے نکالا جائے۔ورنہ بار بار گودھرا جیسے واقعات ہوتے رہیں گے۔"

اپوزیشن لیڈران نے بیانات دئے۔

"اب تک ہوئے فسادات، ان میں پیش آنے والے تمام گھناؤنے واقعات میں برسرِاقتدار پارٹی کا ہاتھ ہے، یہ تو ہم کہتے ہیں آج اِس کا ثبوت بھی مل گیا ہے۔اتنے بڑے کیمپ میں جہاں ہزاروں لوگ بے یار و مددگار پڑے ہیں ان کی حفاظت کے لئے مرکزی اورریاستی حکومت کے پاس

ایک سپاہی بھی نہیں ہے۔ان کے ورکر آ کر اس کیمپ پر حملہ کرتے ہیں یہ ایک گھناؤنی سازش کا آغاز ہے۔"

باز آباد کاری کے وزیر نے کیمپ کا دورہ کیا۔دورے کے نام پر وہ کیمپ کے دروازے کے اندر بھی داخل نہیں ہوا لیکن اس نے بیان دے دیا۔

"ریلیف کیمپ پر حملے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کے حملہ مستقبل میں بھی ہوسکتے ہیں اور آئندہ اِس طرح کے حملوں میں سیکڑوں لوگوں کی جانیں جاسکتی ہیں۔حکومت اتنے لوگوں کی جانوں کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لے سکتی۔کوئی بہت بڑا واقعہ ہو اس سے بہتر تو یہ ہے کہ اس طرح کے تمام کیمپوں کو بند کر دیا جائے تاکہ کیمپوں میں مکین پناہ گزین اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں۔"

وزیر کے اِس بیان کے بعد دوچار ٹٹ پونجئے لیڈروں نے اس کے حق میں بیان دئے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کچھ دِنوں قبل ہی اپنی گورو یاترا میں خود ریاست کا سی۔ایم اِس طرح کے کیمپوں کو آبادی بڑھانے والے کارخانے قرار دے چکا تھا۔

اور اب باز آباد کاری کا وزیر ان کیمپوں کو بدامنی کا خطرہ قرار دے کر بند کرنے کی سفارش کرنے کی بات کر رہا ہے۔

اس بات کو سن کر ریلیف کیمپوں کا ہر فرد دہل گیا۔

"ہم کو ان ریلیف کیمپوں میں کوئی بھی سرکاری سہولت دستیاب نہیں ہے، ہم کو ٹھیک سے پینے کے لئے پانی تک نہیں دیا جاتا ہے۔ہفتے میں ایک بار بھی سرکاری کھانا نہیں دیا جاتا ہے، کیمپ کی صفائی بھی نہیں ہوتی ہے اور اب ان کیمپوں اور ان میں مکین پناہ گزینوں کو ملک دُشمن قرار دے کر ان کو بند کرنے کی آواز اُٹھائی جا رہی ہے۔ "

"ایسا لگتا ہے جیسے ہماری مکمل طور پر بیخ کنی اور نسل کشی کرنے کا مکمل جامع منصوبہ بنا لیا گیا ہے اور اس پر سختی سے عمل درآمد کیا جا رہا ہے۔ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت پوری سرکاری مشنری کا استعمال کر کے ہمیں ہمارے گھروں سے بے گھر کیا گیا۔ہمارے عزیز و اقارب کو زندہ جلایا گیا، ہزاروں لوگوں کو موت کے گھاٹ اُتارا گیا ہے، سوچے سمجھے منصوبوں کے تحت ہزاروں کی تعداد میں بھیڑ نے ہمارے گھر، محلوں پر حملہ کر کے انہیں نیست و نابود کیا۔ اور ان سے بچ کر پناہ لینے کے لئے ہم بے یار و مددگار ان کیمپوں میں آئے تو ان پر بھی زبانی اور جسمانی حملے کئے جا رہے ہیں۔ریاست کا سی۔ایم ہم لوگوں سے کوئی ہمدردی جتانے کے بجائے ان کیمپوں کو آبادی بڑھانے کے کارخانے قرار دے کر اسے بند کرنے کی بات کرتا ہے،

www.iqbalkalmati.blogspot.com

شرپسند دندناتے اس پر حملہ کر کے چلے جاتے ہیں۔اور انتظامیہ آنکھ موندے کھڑا رہتا ہے۔"

"ہم یہاں کسی حد تک محفوظ ہیں۔شرپسندوں کے گھناؤنے منصوبوں کا شکار ہونے سے بچ گئے ہیں۔اس لئے ہمیں یہاں سے نکال کر دوبارہ اپنے گھروں کو بھیجنے کی گھناؤنی سازش رچی جا رہی ہے۔تاکہ شرپسند دوبارہ ان کے اِرادوں میں کامیاب ہو جائیں اور پھر ہم کو ختم کر دیا جائے۔ "

یہ سوچ کر ایک دہشت سی ہر کسی کے دِل پر چھا گئی۔

اِس کیمپ میں ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔نہ تو بچھانے، اوڑھنے کے لئے ٹھیک طور سے بستر تھے نہ ان کو دو وقت کا صحیح طور پر کھانا مل پاتا تھا، نہ ہی پانی پینے کے لئے وقت پر مل پاتا تھا۔

لیکن پھر بھی وہ اس کیمپ میں خوش تھے۔

اُنھیں وہاں کسی طرح کا خوف اور دہشت نہیں تھی۔

کیمپ کے اِحاطے میں ان کا دِن بھی آرام سے گزر جاتا تھا اور رات کو بھی سکون سے بے سر و سامانی کے باوجود سوتے تھے۔

اُنھیں وہاں کسی قسم کا خوف محسوس نہیں ہوتا تھا۔

جب وہ ان دِنوں کو یاد کرتے تھے جب وہ اپنے گھروں میں تھے تو اُن کی رُوح کانپ اُٹھتی تھی

جو تباہی اور بربادی اُنھوں نے دیکھی تھی جو ظلم و ستم اُنھوں نے سہے تھے اس کے بعد تو وہ اُس جگہ دوبارہ جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔اس کیمپ میں مقیم ہر فرد نے اپنا گھر، زمین، جائداد تو کھوئی تھی، اپنے بال بچے، بیوی، عزیز اور اقارب کو بھی کھویا تھا۔

شوہر بچ گیا تو بیوی کو ہوس کا نشانہ بنا کر زندہ جلا دیا گیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کوئی عورت بچ گئی تو اُس کی آنکھوں کے سامنے اُس کے شوہر، اُس کے بچوں کو ترشولوں سے چھید کر اور قتل کر کے دہکتی آگ میں ڈال دیا گیا۔

بوڑھے، بچے، جوان کسی کو بھی نہیں بخشا گیا۔

وہ اپنا کیا دفاع کر پاتے۔

ہزاروں کی تعداد میں لوگ ان پر ان کے گھروں، محلوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔جیسے ایک ساتھ ہزاروں وحشی درندے گلوں سے نکل آئے ہوں، کوئی بھی تو ان کی مدد کرنے والا نہیں تھا۔

انتظامیہ خاموش تماشائی بنی تماشہ دیکھ رہی تھی یا اپنی خاموشی کے ہتھیار سے اپنی وحشیانہ حرکتیں جاری رکھنے اور بربریت کا اور زیادہ مظاہرہ کرنے کے لئے اُکسا رہی تھی۔

اب تک یہ ہوا تھا کہ جب کبھی اس طرح کے واقعات ہوتے تھے ان کے پڑوسی ان کا ساتھ دیتے تھے۔ان کی

حفاظت کرتے تھے یا متوقع خطرے سے آگاہ کر دیتے تھے تاکہ وہ خود کو اس ممکنہ خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے پوری طور پر تیّار کر لیں۔

لیکن اس بار اس کے بالکل برخلاف ہوا تھا۔

اس بار ان پر حملہ کرنے والوں میں ان کے پڑوسی، ان کے محلے والے پیش پیش تھے۔

حملہ آور دوسرے محلوں یا شہر سے نہیں آئے تھے۔اس کے بعد کیا کسی سے توقع کی جاسکتی تھی۔

جو کچھ لٹ گیا تھا اسے لٹا کر، جو ختم ہو گیا اس پر صبر کر کے آنسو بہاتے وہ اس کیمپ میں آئے تھے

اس کیمپ میں پہونچنے والا کوئی بھی فرد تندرست نہیں تھا، ہر کوئی فساد اور فسادیوں کے دئے زخموں سے چور تھا۔

اس کیمپ میں ان کے زخموں کا علاج کرنے کے لئے نہ تو کوئی معالج تھا نہ ہی دوائیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لیکن پھر بھی وہ مطمئن تھے۔

ایک دُوسرے کے زخموں کو پیار سے سہلادیتے، پھٹے کپڑوں کی پٹیاں باندھ دیتے یا باتوں کا مرہم رکھ دیتے تو زخموں سے اُٹھنے والی درد کی ٹیس کچھ کم ہونے لگتی۔

مہینوں ہو گئے تھے۔نہ تو فساد رُکتا تھا اور نہ امن کی کرن کہیں سے پھوٹتی تھی۔ایک دو دِن سکون سے جاتے اور پھر کسی علاقے میں فساد پھوٹ پڑتا اور پھر وہاں وہی واقعات دہرائے جاتے جو پورے فساد کے دوران دہرائے گئے تھے۔

وہ واپس اپنے گھروں کو جانے کی سوچتے بھی نہیں تھے۔

کرفیو چھوٹنے کے بعد کوئی جیالا جا کر اپنا گھر اور محلہ دیکھ آنے کی ہمت کرتا تو واپسی میں وہ اتنا ڈرا اور سہا ہوا ہوتا تھا کہ دوبارہ پھر وہاں جانے کا نام بھی نہیں لیتا تھا۔

اپنے محلے میں قدم رکھتے ہی ہزاروں آنکھیں اُنھیں گھورنے لگتیں۔

ان آنکھوں میں نفرت ہوتی، وہ اُسے دیکھ کر آپس میں زور زور سے باتیں کرتے

"یہ سالا حرامی کیسے بچ گیا۔ "

"ہمارے ترشولوں کا وار ذرا ہلکا تھا، ہم نے غلطی کی اسے ٹرین کی طرح جلانا چاہئے تھا۔ "

"دوبارہ واپس آیا ہے، دبوچ سالے کو، بچ کر جانے نہ پائے، کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا۔ "

اس کے پاس پڑوس کے لوگ اُسے دیکھ کر اس سے ایسی باتیں کرتے تھے۔اسے دیکھ کر کوئی ہمدردی جتانے والا یا ہمدردی کے دو بول بولنے والا کوئی بھی نہیں تھا۔

اس کے بعد تو وہ وہاں سے نکل کر اس ریلیف کیمپ میں پہونچ جانے میں ہی عافیت سمجھتا۔

اسے لگتا، اگر وہ یہاں آیا تو اب کی بار بچ نہیں پائے گا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

قاتل، وحشی، خونی درندے آزاد ہیں ، اپنی درندگی پر وہ پشیمان نہیں ہے۔ان کی درندگی کچھ اور بڑھ گئی ہے۔وہ اسے دِن دھاڑے سرِ عام بھی ختم کر سکتے ہیں ، اگر وہ دِن میں بچ بھی گیا تو رات کو ہزاروں وحشیوں کے حملے میں تو بچ ہی نہیں سکتا۔

اس لئے اپنے گھر جا کر کیا فائدہ ؟

اس کیمپ میں لاکھوں لوگ تھے۔لُٹے ہوئے، تباہ و برباد، زخموں سے چور لوگ ....

لیکن یہاں ان کی جانوں کو کوئی خطرہ نہیں تھا۔

فسادی اور وحشی درندے یہاں پر ان پر حملہ نہیں کر سکتے تھے۔کیونکہ یہاں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔حملہ آوروں کی بڑی سے بڑی فوج کا وہ آسانی سے مقابلہ کر کے اپنی جانیں بچا سکتے ہیں۔

لیکن ان واقعات نے اُنھیں دہلا کر رکھ دیا تھا۔

جس طرح کیمپ پر حملہ کرنے کی کوشش یا نعرے بازی ہوتی تھی، اس سے اُنھیں محسوس ہونے لگا تھا، وحشی فسادی اُنھیں یہاں بھی سکون سے رہنے دینا نہیں چاہتے ہیں۔

اور خود ان کا سردار ریاست کا سی ایم ایسے کیمپوں کو آبادی بڑھانے والے کارخانے کہہ رہا تھا۔

جس وزیر کے ذمہ ان کی باز آباد کاری تھی وہ ان کی باز آباد ی کا کام تو نہیں کر رہا تھا۔یہاں جس ٹوٹی چھت کے نیچے وہ پناہ لئے ہوئے تھے اُسی ٹوٹی چھت کو بھی ان کے سروں سے چھیننے کی کوشش کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔

اتنے بڑے لوگوں کی جانوں کی حفاظت وہ نہیں کر سکتے، اِس طرح کے کیمپ امن کے لئے خطرہ ہیں۔اِس لئے ان سے امن کی صورتِ حال بگڑ سکتی ہے۔انہیں بند کر دینے میں ہی بھلائی ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور ایک بار پھر بے امانی، عدم تحفظ کا عفریت ان کو جکڑنے کے لئے اپنے بازو پھیلا رہا تھا۔

سمینٹ میں دفن آدمی

اُس کے سامنے سمینٹ کا ایک بڑا سا ٹکڑا رکھا ہوا تھا اور اُس کے ہاتھ میں سمینٹ توڑنے کی مشین۔
اس سمینٹ کے ٹکڑے میں اُس کا دوست، محسن، کرم فرما دفن تھا۔اور اُسے اِس سمینٹ کے ٹکڑے کو توڑ کر اپنے اس دوست کی لاش نکالنی تھی۔
سمینٹ کو ڈرل کر کے توڑنے والی مشین اس کے ہاتھوں میں کانپ رہی تھی۔آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ مشین کے زوردار جھٹکوں سے بھی اس کے ہاتھ کانپے ہوں۔

جب وہ اپنے دونوں ہاتھوں میں ڈرل کرنے کی مشین پکڑ لیتا تھا اور اسے مضبوط سے مضبوط سمینٹ یا پتھر کے ٹکڑے پر بھی رکھ دیتا تھا تو اس کی نوک اس سخت پتھر یا سمینٹ میں سوراخ کرتی جاتی تھی۔مشین کے جھٹکوں سے اس کے ہاتھ نہیں کانپتے تھے۔ہاں اس کے مضبوط بازوؤں کی مچھلیاں ضرور پھڑ پھڑاتی تھیں۔
جن کو اس کام کی سختی کا اندازہ تھا، اسے کام کرتے دیکھ کر اس سے رشک کرتے تھے۔
"ماشاء اللہ خدا نے کیسی طاقت سے نوازا ہے، ہاتھوں میں رعشہ پڑنے کے بجائے پتھر اور سمینٹ میں رعشہ پڑ جاتا ہے۔ "
لیکن آج اُس کے ہاتھوں میں رعشہ پڑا ہوا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آنکھوں سے زار و قطار آنسو بہہ رہے تھے، قدرت نے اسے کتنی بڑی آزمائش میں ڈالا تھا۔اسے اس سمینٹ کے تودے سے اسلم کی لاش نکالنی تھی۔

اسلم کی موت کی خبر سن کر وہ پاگلوں کی طرح رونے لگا تھا۔اُسے سمجھانے اور چپ کرانے میں اس کنویں پر کام کرنے والے اس کے ساتھی اور دوستوں کو گھنٹوں لگ گئے تھے۔

"نہیں ایسا نہیں ہوسکتا، اسلم بھائی نہیں مرسکتے، یہ جھوٹ ہے۔ "

وہ بار بار یہ کہتے دہاڑیں مار مار کر رونے لگتا تھا۔

اور ہر بار اس کے ساتھیوں کو اسلم کی موت کا سین دہرانا پڑتا تھا۔

"آخر تم یقین کیوں نہیں کرتے ہو کہ اسلم اب اس دُنیا میں نہیں ہے۔اسے ایسی موت نصیب ہوئی ہے جس کے

بارے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا ہے۔تیل کے کنویں کے لئے ستون کا کام شروع ہوا تھا، اس کی نگرانی اسلم ہی کر رہا تھا۔ہوا لگتے ہی پتھر کی طرح سخت ہو جانے والا سمینٹ سمندر کی تہہ میں ڈال کر اس تیل کے کنویں کا ستون بنایا جا رہا تھا۔مشین کے ذریعہ سمینٹ نئی تعمیر ہونے والے ستون پر گر رہا تھا، مشینیں اُسے مطلوبہ شکل دے رہی تھیں۔اسلم سمینٹ کے ڈھیر میں سمینٹ کی مقدار کی جانچ کر رہا تھا۔اس کے لئے وہ جھکا ہوا تھا۔اچانک اُس کا توازن بگڑ گیا اور وہ نیچے اس تعمیر ہونے والے ستون پر جا گرا اور اُسی وقت اُس پر کئی ٹن سمینٹ آ کر گرا جو آن کی آن میں پتھر کی طرح سخت ہو گیا اور اسلم اس سمینٹ میں دفن ہو گیا۔بڑی مشکل سے اندازہ لگا کر سمینٹ کو اس ممکنہ حصے سے کاٹنے کا کام شروع کیا گیا ہے جہاں اسلم دفن ہے، اسلم کی موت میں کوئی دو رائے نہیں تھی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس کے گرنے کے بعد دُوسرے لمحے ہی جس کسی نے اسلم کو سمینٹ میں دفن ہوتے دیکھا اس کی موت کا اعلان کر دیا تھا۔کسی کو بھی اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں تھی۔ بھلا کچھ لمحوں میں ہی پتھر کی طرح سخت ہو جانے والے سمینٹ کی قبر میں بھی کوئی زندہ رہ سکتا ہے ؟

لیکن وہ تھا کہ مانتا ہی نہیں تھا کہ اسلم اب اس دُنیا میں نہیں ہے۔

بڑی مشکل سے بڑی بڑی مشینوں سے اِس حصے کو کاٹ کر نکالا گیا جس میں اسلم دفن تھا۔

اور اس سمینٹ کے تودے کو توڑ کر اسلم کی لاش نکالنے کا حکم بھی وہ کام کرنے والوں کو دے دیا۔

اس وقت وہ اس سمینٹ کے ٹکڑے کے سامنے کھڑا اسے گھور رہا تھا اور اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس سمینٹ کے تودے میں اسلم کہاں دفن ہو گا۔

چار پانچ مزدور ہاتھوں میں سمینٹ میں ڈرل کرنے والی مشینیں لے کر آگے بڑھے تاکہ اس سمینٹ کو توڑ کر اندر سے اسلم کی لاش نکالی جائے۔

اس منظر کو دیکھ کر وہ کانپ اُٹھا۔

اسے ایسا محسوس ہوا جیسے ڈرل مشینیں اسلم کو سمینٹ کی قبر سے باہر نکالنے کی کوشش میں اس کے جسم کے آر پار گزر کر اُسے چھلنی کر رہی ہے۔

"نہیں ، نہیں .. ! رُک جاؤ۔اپنے دوست کو میں اس سمینٹ کی قبر کے باہر نکالوں گا۔"وہ چیخا۔

سپروائزر نے اس کی بات سن کر آنکھوں ہی آنکھوں میں ان مزدوروں کو اشارہ کیا۔وہ سب اس اشارے کو سمجھ کر اپنی اپنی مشینیں لے کر پیچھے ہٹ گئے۔

"جاوید ! مجھے تم سے ہمدردی ہے۔"سپروائزر کا شفیق ہاتھ اسے اپنے کاندھے پر محسوس ہوا۔"مجھے پتا ہے اسلم تمہیں کتنا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

چاہتا تھا اور تم اسے کتنا چاہتے تھے، ٹھیک ہے ! تم اکیلے ہی اپنے طور پر اپنے دوست کی لاش اس سمینٹ کی قبر سے کھود کر باہر نکالو۔ "

اور اب اسے اپنے دوست کی لاش اس سمینٹ کی قبر سے کھود کر نکالنی تھی۔

اس کے ہاتھ میں ڈرل کر کے سمینٹ کو توڑنے والی مشین بھی تھی۔

لیکن اب تک اپنا کام شروع بھی نہیں کر پایا تھا۔

وہ اس سمینٹ کے ٹکڑے کے جس حصے پر اپنی مشین رکھتا، اسے محسوس ہوتا جیسے اس حصے میں اس جگہ اسلم کے جسم کا کوئی حصہ دبا ہے۔اگر اس جگہ کو اس نے ڈرل مشین کے ذریعہ توڑنے کی کوشش کی تو ممکن ہے اسلم کے جسم کے اس حصے کو بھی نقصان پہونچے جو اس جگہ دفن ہے۔

اور وہ ڈر کر اس جگہ سے اپنی مشین ہٹا لیتا تھا اور ابھی تک اپنا کام بھی شروع نہیں کر پایا تھا۔

جب بھی وہ مشین سمینٹ کے تودے پر رکھتا اس کے ہاتھ اور ہاتھوں کی مشین کانپنے لگتی، ایسا محسوس ہوتا جیسے سمینٹ کے نیچے دبا اسلم اسے مسکرا کر دیکھ رہا ہے۔

"شروع کرو، جاوید ! جیتے جی تو میرے جسم پر ہلکی سی خراش بھی آ جاتی تھی تو تم تڑپ اُٹھتے تھے۔اب شاید میرے مقدر میں میرے جسم کو تمہارے ہاتھوں ہی چھلنی ہونا ہے۔ "

وہ گھبرا کر مشین پھینک دیتا اور اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا کر زار و قطار رونے لگتا۔

اسلم کے گھر اس کی موت کی خبر دی جاچکی تھی۔ان سے کہا گیا تھا کہ اسلم کی لاش ایک دو دِن میں روانہ کر دی جائے گی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور وہ اسلم کے گھر کے ماحول کا تصور کر کے کانپ اُٹھ رہا تھا۔

دو مہینے بعد اسلم واپس اپنے وطن، اپنے گھر جانے والا تھا۔ اس کے گھر والے اس کے آنے کی اُمید لگائے ہوئے ہوں گے۔اُنھوں نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اس بار اُن کے پاس اسلم نہیں اسلم کی لاش آئے گی۔

کیا بیتے گی اُن کے دِل پر اسلم کی لاش دیکھ کر ؟

اُنھیں ایسا محسوس ہو گا جیسے وہ اسلم کو قبر میں دفن نہیں کریں گے، اپنی ساری خواہشیں ، ارمانوں کو قبر میں دفن کریں گے۔

اس سال اسلم کو کتنے کام کرنے تھے۔

اپنا گھر بنانا تھا، بڑی بیٹی کی شادی کرنی تھی، چھوٹی بیٹی کے لئے کوئی اچھا سا لڑکا ڈھونڈنا تھا، لڑکے کو کسی اچھے تعلیمی ادارے میں اعلیٰ تعلیم کے لئے داخل کرنا تھا۔

بیمار ماں کا علاج کرنا تھا، اپاہج بھائی کے بچوں کو روزی، روٹی کے لئے ایک دوکان ڈال کر دینی تھی۔

ہر بار جاوید دو سال تک اِس سمندر کے درمیان رہ کر، سمندر کی مرطوب ہوا میں اپنے خون کا پسینہ بنا کر، بہا کر جو پیسے جمع کرتا اور ان جمع پیسوں کے سہارے جو خواب سجاتا ہے، ان پیسوں اور خوابوں کو لے کر جب وطن جاتا ہے تو سارے خواب ٹوٹ کر بکھر جاتے ہیں اور سارے پیسے ختم ہو جاتے ہیں ، کسی بھی خواب کی تعبیر حاصل نہیں کر پاتا ہے۔ کیونکہ گھر جانے کے بعد وہاں پر دُوسرے ہی کئی انجانے مسائل اژدھے کی طرح منہ پھاڑے کھڑے ہوتے ہیں ، وہ جیسے ہی وہاں پہونچتا، وہ اُس کی طرف لپکتے ہیں اور سارا پیسہ نگل جاتے ہیں ، خواب حسرت سے اُنھیں دیکھتے رہ جاتے ہیں ، اپنے خوابوں کو تسلّی دیتا کہ انشاء اللہ آئندہ سال اُن کی تعبیر ضرور کرے گا۔گذشتہ دس سالوں سے یہی ہو رہا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ دس سال قبل وہاں آیا تھا۔بلڈنگوں کو تعمیر کر کے ان پر پلاسٹر لگانے کا کام کرتا تھا۔

ایک دِن کمپنی نے اُسے کچھ دِنوں کے لئے سمندر میں تعمیر ہونے والے تیل کے کنوؤں کی تعمیر کے کام کے لئے بھیج دیا۔

یہ کام بلڈنگوں کی تعمیر سے زیادہ خطرناک تھا۔

لوگ اِس کام میں ہاتھ ڈالنے سے ہی گھبراتے تھے۔

لیکن تین چار دِن وہاں کام کرنے کے بعد اسلم کو محسوس ہوا، وہاں کام کرنے میں خطرہ ضرور ہے لیکن آدمی چوکنا رہے تو یہ خطروں بھرا کام بھی آسان ہوسکتا ہے۔

وہاں جس سپروائزر کے ماتحت وہ کام کر رہا تھا وہ بھی اُس کے کام سے متاثر ہوا اور اُس نے خود پیش کش کی۔

"اسلم اگر تم چاہو تو میں تمہارے لئے کام کی سفارش کر سکتا ہوں۔ان دو تین دِنوں میں تم اچھی طرح سمجھ چکے ہو

گے، یہاں کیا کام ہوتا ہے اور وہ تم کر سکتے ہو یا نہیں ، اگر تم چاہو تو یہاں کام کر کے تم دوگنا پیسہ کما سکتے ہو اور یہاں پر تمہیں سہولیات بھی بہت سی ملیں گی۔"

وہ وہاں کام کرنے کے لئے راضی ہو گیا۔

اسے تیل کے کنوؤں میں کام کرنے پر معمور کر دیا گیا۔

سمندر کی گہرائی سے بڑے بڑے ستون باندھ کر سطح سمندر کے اوپر تک لائے جاتے تھے، اس پر ایک بڑا سا پلیٹ فارم تیار کیا جاتا تھا اور اسی پلیٹ فارم پر ساری دُنیا ہوتی تھی۔

سمندر سے تیل نکالنے کی بڑی بڑی مشینیں ، تیل صاف کرنے کی مشینیں اور اس کے لئے وہاں کام کرنے والے سیکڑوں ، ہزاروں افرادوں کے کوارٹرس....

.کام دِن رات چلتا رہتا تھا۔

کام کرنے والے دو شفٹوں میں کام کرتے تھے، کبھی دِن کی شفٹ میں تو کبھی رات کی شفٹ میں۔کام ختم ہونے کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بعد ان کے پاس اپنے کوارٹروں میں جا کر سونے کے علاوہ کوئی کام نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ دِل بہلانے کے لئے کہیں جا نہیں سکتے تھے، چاروں طرف سمندر تھا، زیادہ سے زیادہ وہ آپس میں انڈور گیم کھیل کر، پسندیدہ موسیقی سن کر یا ٹی وی پروگرام دیکھ کر دِل بہلاسکتے تھے۔

ہفتے میں ایک دِن اُنھیں اِس تیل کے کنویں سے دُور زمین پر لے جایا جاتا تھا۔اِس طرح وہ ایک دِن اس سمندر سے دُور گزارتے تھے۔

اپنے پسند اور ضروریات کی چیزیں خریدتے، اپنے رشتے داروں کو فون کرتے یا خطوط پوسٹ کرتے تھے۔

اور شام کو واپس تیل کے کنویں پر آ جاتے تھے۔

جب تیل کا کنواں پوری طرح تعمیر ہو جاتا تھا تو پھر نئے کنویں کی تعمیر کے لئے اُنھیں نئی جگہ جانا پڑتا تھا۔

تعمیر کا کام برسوں چلتا تھا، کبھی کبھی دو تین سالوں میں بھی اس کی تعمیر کا کام مکمل نہیں ہو پاتا تھا۔

نئی جگہ جانے کے بعد بھی اُنھیں کوئی اجنبیت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ کیونکہ ان کے لئے تو ماحول ایک جیسا ہی رہتا تھا۔

چاروں طرف سمندر اور اس کے درمیان ایک پلیٹ فارم پر کسی چھوٹے سے جزیرے پر آباد وہ ....

اُسے وہاں آئے صرف دو سال ہوئے تھے۔اسے آتے ہی اسلم کی ماتحتی میں کام کرنا پڑا تھا۔

دو تین دِنوں میں ہی وہ ایک دوسرے سے کافی گھل مل گئے تھے۔ کیونکہ دونوں کا تعلق ایک ہی ریاست اور ایک ہی ضلع سے تھا۔

ایک ہی مقام کے ہونے کی وجہ سے دِلوں میں فطری طور پر اُنسیت خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔ان دوسالوں میں اسلم

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نے اپنے گذشتہ دس سالوں کی زندگی کا ایک ایک پل کھول کر رکھ دیا تھا۔

وہ وہاں غریب الوطنی کی اسلم کی دس سالہ زندگی سے اچھی طرح واقف ہو گیا تھا، وہ اسلم کے گھر، اُس کے افراد، کے خاندان والوں سے بھی بالکل اسی طرح واقف ہو گیا تھا جیسے وہ اُن کا بھی ایک جزو رہا ہو۔

ان دس سالوں میں اسلم ایک معمولی میسن سے ترقی کر کے سپروائزر بن گیا تھا۔

اب تیل کے کنوؤں کی تعمیر میں اس کے تجربات کے نیک مشورے بھی شامل ہوتے تھے۔ کمپنی کے اعلیٰ افسران اپنے انجنیئروں کو اسلم کے مشوروں پر غور کرنے کی ہدایت دیتے تھے۔

وہ ان پڑھ اور جاہل آدمی تھا۔لیکن گذشتہ دس سالوں میں سمندر میں تیل کے کنوؤں کی تعمیر کے سلسلے میں اتنا

تجربہ حاصل ہو گیا تھا کہ وہ خود کسی بڑے سے بڑے انجنیئر سے بڑھ کر پلان بنا سکتا تھا۔

وہ وہاں پر ایک معمولی ویلڈر کے طور پر آیا تھا۔تیل کے تعمیر ہونے والے کنووں پر لوہے کو کاٹنے اور جوڑنے کا ہی زیادہ کام ہوتا تھا لیکن اسلم نے اسے مشورہ دیا تھا۔

"تم صرف اِس کام میں مت لگے رہو، اور بھی دُوسرے کام سیکھ لو، یہ تمہارے کام آئیں گے۔"

اور وہ تقریباً سارے کام سیکھ گیا تھا، سچ مچ وہ کام اُس کے لئے بڑے مفید ثابت ہوئے تھے۔

اسے ہر کام آتا ہے، آفیسروں کو جو اُس کا پتہ چلا تھا تو اس کے لئے اُن کے دِل میں اس کی عزت بھی بڑھ گئی تھی۔

اسلم ہر دو سال میں ایک بار دو مہینے کے لئے اپنے گھر جاتا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور ہر سال وہ کوئی نہ کوئی بڑا کام کر کے آتا تھا، بڑا کام اور کیا ہوسکتا تھا، گھر کی تعمیر، کسی کھیت کا سودا یا پھر شادی بیاہ۔پہلے دو سال میں اس نے اپنے بہن بھائیوں کی شادیاں کیں ، اس کے بعد رشتہ داروں کی اور اس بار اسے اپنی بیٹی کی شادی کرنی تھی۔

اسلم گھر جانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔

"جاوید مجھے بہت دُکھ ہوتا ہے کہ اس بار جب میں وطن جا کر واپس آ جاؤں گا تب تم وطن جاؤ گے، میری دِلی تمنا تھی کہ اس بار ہم ساتھ وطن جاتے تو تمہیں آٹھ دس دِن اپنے گھر میں رکھتا۔ "

"اسلم بھائی ! آپ اپنا دِل چھوٹا کیوں کر رہے ہیں ؟ اطمینان رکھئے۔وطن واپس جانے کے بعد میں آپ کے گھر ضرور جاؤں گا۔"لیکن پھر بھی اسلم کو اطمینان نہیں ہو پاتا تھا۔

اس کا ارمان تھا کہ وہ اس کی بیٹی کی شادی میں شریک ہو۔ اُس کے گھر میں اس کی بیٹی کی شادی کی تیّاریاں چل رہی ہو گی۔اس کے استقبال کی تیّاریاں ہو رہی ہوں گی۔

اور وہ ایک خواب کی طرح بکھر کر سمینٹ کے نیچے دفن ہو گیا تھا۔اسے اسلم کو سمینٹ کے نیچے سے نکالنا تھا۔ تاکہ اس کی لاش اس کے لواحقین کو وطن روانہ کی جاسکے اور وہ اُس کی تدفین کر سکے۔

قربتیں ..... فاصلے

کمپیوٹر اسٹارٹ کر کے اُس نے انٹر نیٹ کا کنکشن شروع کیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

خلاف معمول کنکشن جلد مل گیا۔ورنہ اِس وقت کنکشن ملنے میں کافی دِقّت پیش آتی تھی۔ کنکشن ملنے کے بعد اس نے مانیٹر پر لگا چھوٹا ساویب کیمرہ درست کیا۔

کیمرے میں نظر آنے والا اپنا عکس اُس نے زاویے سے صحیح کیا، جب اُسے پورا اطمینان ہو گیا کہ کیمرہ اس کی تصویریں صحیح زاویے سے لے رہا ہے تو اُس نے اپنی پسندیدہ ویب سائٹ اوین کی اور اُس میں چیٹنگ کے آپشن پر کلک کیا۔

مونیٹر پر سیکڑوں نام اور اُن کے درمیان چلنے والی گپ شپ کے نتائج اُبھرنے لگے، اُس نے میسنجر پروگرام میں اپنے ساتھی کا نام لکھ کر تلاش کیا۔

معمول کے مطابق اس سائٹ پر اس کا شوہر جاوید موجود تھا۔ اس نے جاوید کے نام پر کلک کر کے اُسے خصوصی چیٹ روم میں آنے کی دعوت دی۔

سامنے مونیٹر پر جاوید کا مسکراتا ہوا چہرا اُبھرا، کانوں میں لگے مائیکروفون میں اُس کی شوخ آواز گونجنے لگی۔

"ہائے ! بڑی دیر کی مہرباں آتے آتے ؟ "

"نہیں تو ... میں نے تو معمول کے وقت کے مطابق کمپیوٹر آن کیا ہے، لگتا ہے آج آپ زیادہ فری تھے جو ..... "

"ہاں آج آفس کا کام جلد ختم ہو گیا تھا اِس لئے نیٹ پر بیٹھ کر تمہارا انتظار کرنے لگا۔ "

"میرا انتظار کرنے لگے یا پھر کسی اور کے ساتھ چیٹ کرنے لگے ؟ " اُس نے مسکرا کر پوچھا۔

"جب اتنی اچھی اپنے گھر والی چیٹchat کرنے کے لئے ساتھ ہو تو پھر دُوسروں کے پیچھے وقت برباد کرنے سے کیا فائدہ ؟ "

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"رات میں تو آپ کے پاس وقت ہی وقت ہوتا ہے نا ... ؟ میں تو ایک دو گھنٹے ہی آپ کے ساتھ ہوتی ہوں .... میرے آف لائن ہونے کے بعد .... ؟ "

"تمہارے آف لائن ہوتے ہی گھنٹوں تک ذہن کے پردے پر تمہارا مسکراتا ہوا چہرہ رقص کرتا رہتا ہے، کانوں میں تمہاری سُریلی آواز گونجتی رہتی ہے۔میں اسی کے تصور میں کھویا رہتا ہوں اور کب نیند آ جاتی ہے پتا ہی نہیں چلتا ہے اور کبھی کبھی تو میں ہماری ساری گفتگو ریکارڈ کر لیتا ہوں اور پھر آف لائن گھنٹوں اسے دیکھتا رہتا ہوں۔ "

"بہت یاد آتی ہے ؟ " شوہر کی بات سُن کر وہ کچھ جذباتی سی ہو گئی۔

"روزانہ تو ملاقات ہوتی رہتی ہے۔اس لئے یہ تو کہا نہیں جاسکتا کہ بہت یاد آتی ہے لیکن وہ جو قربت کی چاہ ہے نا کبھی کبھی بے چین کر دیتی ہے۔"جاوید نے جواب دیا۔

اس کے بعد باتوں کا سلسلہ چل پڑا۔

ہزاروں طرح کی باتیں تھیں۔

جاوید نے پہلے بچوں کے بارے میں پوچھا۔اس نے بچوں کی دِن بھر کی سرگرمیوں کی رپورٹ دی۔اس کے بعد آس پاس پڑوسیوں کی باتیں ، ملک کے حالات وغیرہ پر گفتگو۔

یہ روز کا معمول تھا۔

وہ روزانہ ایک دو گھنٹے انٹرنیٹ پر بیٹھ کر باتیں ضرور کرتے تھے۔باتیں کرتے ہوئے اُسے محسوس ہوتا تھا جیسے وہ بالکل اُس کے قریب ہے، اُس سے ہزاروں میل دور نہیں ہے۔

اُس کا چہرہ جاوید کو اپنے کمپیوٹر کے مانیٹر پر دِکھائی دیتا تھا، مائیک کے ذریعہ اُس کی آواز جاوید کے ہیڈ فون تک پہونچتی تھی اور اس کے ہیڈ فون سے جاوید کی آواز اُس کے کانوں میں اترتی ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ پلنگ پر لیٹے ایک دُوسرے سے باتیں کر رہے ہیں۔

فرقت کا احساس جو برسوں تک کچوکے دیتا تھا یک بہ یک ختم سا ہو جاتا تھا۔

زمانہ کس تیزی سے بدلا اور حالات بھی کتنے بدل گئے۔سوچیں تو حیرت ہوتی ہے۔

جاوید دس سالوں سے گلف میں ہے۔

دو سال میں ایک بار دو مہینے کے لئے آتا ہے اور اس کے بعد پھر پورے دو سالوں کی جدائی۔

شادی ہونے کے بعد دونوں کو ساتھ ساتھ رہنے کا زیادہ موقع نہیں مل سکا تھا۔جب اُس کا جاوید کے ساتھ رشتہ طے ہوا تھا اس وقت اس نے جاوید کو دیکھا بھی نہیں تھا۔جاوید اس وقت گلف میں تھا، دو مہینے کے لئے وطن واپس آنے والا تھا۔اُس کے ماں باپ جاوید کے لئے کسی اچھی لڑکی کی

تلاش میں تھے۔جاوید کے آتے ہی آٹھ دس دِنوں میں اُس کی شادی کرنی تھی۔

شادی کے بعد چھٹیوں میں وہ دو ماہ وطن میں رہ کر واپس گلف جانا چاہتا تھا۔

کسی نے اُنھیں اس بارے میں بتایا کہ وہ اس کے گھر رشتہ لے کر آئے۔اس کے امی ابا کو بھی اس کے لئے جاوید سے مناسب کوئی اور لڑکا نظر نہیں آیا۔

اِس لئے فوراً رشتہ طے ہو گیا۔

نہ تو اس نے جاوید کو دیکھا اور نہ جاوید نے اس کو۔

اس نے صرف جاوید کی تصویر دیکھی تھی اور جاوید نے بھی صرف اس کی تصویر دیکھی تھی۔

چھٹیوں میں جاوید آیا اور آٹھ دِن بعد ان کی شادی ہو گئی۔

شادی سے پہلے جاوید کے بارے میں کئی وسوسے اس کے ذہن میں تھے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس نے نہ تو جاوید کے بارے میں کسی سے سنا تھا نہ کبھی دیکھا تھا۔پتا نہیں کس طرح کے مزاج کا ہو گا، اسے پسند کرے گا بھی یا نہیں ؟ ماں باپ نے تو زندگی بھر کا رشتہ باندھ دیا لیکن یہ رشتہ نبھ پائے گا یا نہیں ؟ یہ طے ہوا ہے کہ جب تک جاوید پوری طرح سیٹل نہیں ہو جاتا گلف میں نوکری کرتا رہے گا۔دوسال بعد دو مہینے کے لئے آتا رہے گا۔

تو اس کا مطلب ہے اس کا شوہر اسے دوسالوں میں صرف دو ماہ کے لئے ملے گا۔باقی کے ۲۲ مہینے اسے اکیلے رہنا پڑے گا، کیا وہ اکیلی رہ پائے گی ؟

اکیلی رہنے کی کوئی بات نہیں تھی۔اس کی سہیلیاں اسے سمجھاتی تھیں۔تو ۲۲ مہینے سمجھ لے کہ تیری شادی ہی نہیں ہوئی ہے، وقت اسی طرح گزرے گا جس طرح فی الحال گزر رہا ہے۔

لیکن وہ ذہنی طور پر اس کے لئے بھی تیّار نہیں تھی۔اس وقت وہ نئے لوگ نئے رشتے۔کیا وہ وہاں رہ پائے گی ؟ لیکن شادی کے کچھ دِنوں بعد ہی اس کے سارے خدشات اور وسوسے بے بنیاد ثابت ہوئے

اس نے جاوید میں ایسا کچھ بھی نہیں پایا جن خدشات کے بارے میں وہ سوچتی رہی تھی اور سسرال میں تو اُسے اپنے گھر سے اچھا ماحول ملا۔وہاں اسے اپنے گھر سے زیادہ آزادی محسوس ہوئی۔

شادی کے بعد وہ ایک ماہ تک ہنی مون کے سلسلے میں سارے ہندوستان کی سیر کرتے رہے۔۱۵ دِنوں تک رشتہ داروں کی دعوتیں اُڑاتے رہے اور ۱۵ دِنوں تک گھر میں رہے۔

دو ماہ بعد جاوید واپس چلا گیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جاوید کے جانے کے بعد اُسے محسوس ہونے لگا جیسے اُسے کسی محل سے نکال کر قید خانے میں قید کر دیا گیا ہے۔

وہی گھر تھا جہاں وہ رہتی تھی، وہی لوگ تھے جن کے درمیان وہ رہتی تھی۔لیکن ایک جاوید کے نہ ہونے کی وجہ سے اس ماحول میں کتنی زبردست تبدیلی آ گئی تھی۔

اُسے لگتا تھا اس کی زندگی کا بہت کچھ اس سے چھین لیا گیا ہے۔دو مہینے میں اسے لگتا تھا جسے اسے ساری دُنیا کی خوشیاں مل گئی ہیں۔لیکن دو ماہ بعد اس سے جیسے اس کی ایک ایک خوشی چھینی جا رہی ہے۔گھنٹوں وہ تنہائی میں بیٹھ کر اِن باتوں کے بارے میں سوچ سوچ کر آنسو بہاتی رہتی تھی۔

اس کی سہیلیاں آ کر اسے سمجھاتی تھیں لیکن پھر بھی اس کا دِل بہل نہیں پاتا تھا۔

گلف جانے کے ۱۰ دِنوں بعد جاوید کا خط آیا۔

خط اِتنا جذباتی تھا کہ اسے پڑھ کر اُس کا دِل بھر آیا اور ایک نیا احساس اسے کچھ کہنے لگا کہ جو حالت اُس کی ہے، جاوید کی بھی وہی حالت ہے۔جواب میں اُس نے بھی جاوید کو خط لکھا وہ جاوید کے خط سے بھی زیادہ جذباتی تھا۔

کیونکہ اُس کے جواب میں جاوید نے بھی اِسی طرح کا جذباتی خط لکھا تھا۔

دو سالوں تک خطوط کا سلسلہ چلتا رہا۔

اِس دوران وہ ایک بچے کی ماں بن گئی۔اعراف کے آ جانے سے اس کی تنہائی کچھ کم ہوئی تھی۔کیونکہ سارا وقت اس کی دیکھ بھال میں گزرتا تھا۔لیکن رات میں جاوید کی یاد نہ آئے ایسا ہو نہیں سکتا تھا۔رات بھر وہ بستر پر کروٹیں بدلتی تھی۔اُسے پتا تھا ہزاروں میل دُور جاوید بھی اِسی طرح کروٹیں بدلتا ہے کیونکہ اس کے خطوط سے یہ صاف پتا چلتا ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دونوں کے درمیان ہزاروں میل کے فاصلے ہیں۔
دو مہینے کے لئے جاوید چھٹیوں میں واپس وطن آیا تو وہ فاصلے پھر سمٹ کر قربتوں میں تبدیل ہو گئے۔
لیکن وہ قربتیں صرف دو مہینے کی تھیں۔
اور پھر درمیان میں ۲۲ مہینوں کے فاصلے حائل ہو گئے۔
دونوں کے درمیان خط و کتابت ہی ایک دُوسرے کا حال احوال جاننے کا واحد ذریعہ تھا۔
۱۰، ۱۵ دِنوں میں جاوید کا خط آتا تھا۔جواب لکھنے کے بعد جاوید کے جواب کا انتظار رہتا تھا
روزانہ نگاہیں گلی میں ڈاک تقسیم کرتے پوسٹ مین پر لگی رہتی تھی۔اُس کو دیکھتے ہی دِل دھڑک اُٹھتا تھا اور دِل میں اُس کی ایک لہر دوڑ اُٹھتی تھی۔شاید وہ جاوید کا کوئی پیغام لے آئے۔لیکن وہ روزانہ پیغام لانے سے تو رہا۔جاوید کے خطوط تو ۱۰، ۱۵ دِنوں میں ہی آتے تھے۔

جاوید کے آنے کی تاریخ کا پتا چلتے ہی دِل کی حالت عجیب پاگلوں سی ہو جاتی تھی۔
ایک ایک لمحہ انتظار اور منصوبہ بندی میں گزرتا تھا۔
مہینے دو مہینے کا ایک ایک لمحہ کا پورا شیڈول تیّار کر لیا جائے کہ کب کیا کرنا ہے تاکہ کوئی لمحہ ضائع نہ ہو اور کام ادھورا نہ رہ جائے۔
دو مہینہ کے لئے جاوید آتا تو یہ بات ضرور زیر بحث آتی کہ وہ واپس نہ جائے۔
لیکن جاوید کا جواب ہوتا۔
"ثوبی میں خود واپس جانا نہیں چاہتا ہوں۔لیکن یہاں رہ کر کیا کروں گا؟ مجھے یہاں ہزار دو ہزار روپیہ کی نوکری ملنی مشکل ہے یا کسی کام سے بھی اتنی آمدنی مشکل ہے، اس میں تو زندگی گزر نہیں سکتی۔میں چاہتا ہوں کہ وہاں کام کر کے اتنا پیسہ جمع کر لوں کہ پھر ہم ساری زندگی آرام سے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس کے سہارے گزار دیں پھر ہمیں کسی چیز کی کمی محسوس نہ ہو۔"

وہ کہتی، وہ جتنا لا کر دے گا اُسی میں گزارا کر لے گی لیکن واپس نہ جائے۔ تو اُسے سمجھاتا کہ اس طرح زندگی نہیں گزر سکتی۔ان کے سامنے پوری زندگی ہے، اپنے بچوں کا مستقبل ہے۔

اسے ہتھیار ڈالنے پڑتے اور جاوید واپس چلا جاتا۔

پھر وہی فاصلے، وہی خطوط کے ذریعہ فاصلوں کو کم کرنے کی ناکام سعی۔

کچھ دِنوں بعد پڑوس میں فون آگیا تھا تو یہ آسانی ہو گئی تھی کہ جاوید دو تین مہینے میں ایک آدھ بار فون کر لیتا تھا۔ یا وہی کبھی کبھی جاوید سے فون پر بات کر لیتی تھی۔

لیکن فون کا بل اتنا آتا تھا۔زیادہ دیر اور بار بار باتیں کرنا ممکن نہیں تھا۔

لیکن اس وجہ سے یہ آسانی تو ہو گئی تھی کہ کم سے کم اُنھیں ایک دُوسرے کی شناسا آواز تو سنائی دیتی تھی۔

اس کے بعد جاوید آ کر گیا تو سفینہ آ گئی۔

اب اسے دو دو بچوں پر دھیان دینا پڑتا تھا۔اس لئے جاوید کی یادوں کے لئے وقت کم ملتا تھا۔

اس دوران اُنھوں نے اپنے گھر میں فون لگا لیا۔

اب جاوید کے فون کے لئے اُسے پڑوسی کے گھر جانا نہیں پڑتا تھا۔ گھر میں ہی اطمینان سے بیٹھ کر جاوید سے باتیں کر لیتی تھی۔یا اگر دِل میں آتا اور اسے محسوس ہوتا تو جاوید اس وقت مل سکتا ہے تو جاوید کو خود ہی فون کر لیتی۔اب خطوط کا تبادلہ کچھ کم ہو گیا تھا۔

کبھی کبھار وہ ایک دُوسرے کو خط لکھتے تھے۔ایسی باتیں جو ٹیلی فون پر نہیں ہو پاتی یا پھر ٹیلی فون بند ہونے کی وجہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے رابطہ نہیں ہوسکا تو خطوط کے ذریعہ آدھی ملاقات کی پرانی رسم نبھائی جاتی۔

اب کی بار جاوید آ کر گیا تو ملاقات کا ایک اور ذریعہ وجود میں آگیا تھا۔

وہ اسے ایک سائبر کیفے لے گیا اور اسے ای میل کرنا اور چیٹنگ کرنا سکھا گیا۔

اب ان کی باتیں فون کے ساتھ ساتھ ای میل پر بھی ہونے لگی۔جاوید بچوں کی تصویریں مانگتا تو وہ تصویر کو اسکین کر کے ای میل سے اسے بھیج دیتی۔جاوید اپنی تازہ تصویریں ای میل سے اسے روانہ کر دیتا تھا۔

کبھی جاوید ای میل سے اطلاع دے دیتا کہ وہ کس وقت چیٹنگ کی ویب سائٹ پر آن لائن ہو گا۔

اس وقت کسی سائبر کیفے میں جا کر وہ سائٹ کھولتی، جاوید آن لائن ہوتا تو پھر گفتگو شروع ہو جاتی۔اور اس گفتگو میں گھنٹوں گزر جاتے۔

وہ ای میل چیک کرنے کے لئے اور جاوید سے چیٹنگ کرنے کے لئے ہفتے میں دو تین بار سائبر کیفے میں جاتی تھی۔اب ٹیلی فون کا اتنا استعمال نہیں ہوتا تھا۔کیونکہ انٹرنیٹ سب سے آسان اور سستا ذریعہ تھا۔

اس بار جاوید واپس گلف گیا تو اسے کمپیوٹر کا تحفہ دے گیا۔ کمپیوٹر تمام جدید آلات اور سہولیات سے لیس تھا۔اب اسے چیٹنگ میں کی بورڈ سے ٹائپ نہیں کرنا پڑتا تھا۔مونیٹر پر لگے کیمرے سے اس کی تصویر جاوید کو دِکھائی دیتی تھی۔جاوید کی تصویر اُس کے مونیٹر پر اُبھرتی تھی۔مائیک کے ذریعہ اُس کی آواز جاوید کے کانوں تک پہونچتی تھی اور جاوید کی آواز اُس کے کانوں تک۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جب وہ آن لائن ہوتے تو ایسا محسوس ہوتا۔سارے فاصلے سمٹ گئے ہیں یا فاصلے سمٹ کر قربتوں میں تبدیل ہو گئے ہیں۔

روزانہ کا ایک معمول بن گیا ہے۔

روزانہ وہ ایک دو گھنٹہ انٹرنیٹ کے ذریعہ ملاقات کر لیتے ہیں۔اس طرح اُنھیں احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ ایک دُوسرے سے ہزاروں میل دور ہیں اور کئی سالوں سے نہیں ملے ہیں۔اسے پتا ہوتا جاوید نے آج کون سا کپڑا پہنا ہے۔، آج کیا کھایا ہے۔تو جاوید کو علم ہوتا تھا کہ آج گھر میں کیا پکا ہے، بچے کب اسکول گئے اور اُنھوں نے آج کیا کیا شرارتیں کیں۔

اس دِن بھی معمول کے مطابق گفتگو ہوتی رہی۔

باتوں میں جاوید نے کہا۔

"میری چھٹیوں کے دِن نزدیک آ رہے ہیں۔کمپنی والے کہتے ہیں اگر اِس بار میں نے چھٹیاں نہیں لی تو کام کی دوگنا تنخواہ دیں گے۔دوگنا تنخواہ اور آنے جانے کا خرچ بھی بچے گا۔لاکھوں کی بچت ہوسکتی ہے ..... کہو کیا ارادہ ہے ؟ "

"اگر لاکھوں کی بچت ہوسکتی ہے تو آپ اِس بار مت آئیے۔"اُس کے منہ سے بے ساختہ نکلا، ویسے بھی یہاں اب کچھ نہیں جو آپ یہاں آ کر جاننا اور دیکھنا چاہتے ہیں۔روزانہ ایک دُوسرے کے حالات کا پتہ تو چل ہی جاتا ہے۔ "

"ہاں ، میں بھی سوچتا ہوں اِس بار وطن نہیں آؤں۔"جاوید نے جواب دیا۔کمپیوٹر بند کر کے جب اُس نے اپنے جواب پر غور کیا تو سوچ میں پڑ گئی۔

کہاں وہ جاوید کے آنے کے لئے ایک ایک لمحہ گنتی تھی۔

کہ کب یہ فاصلے سمٹے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور آج خود کہہ رہی ہے آنے کی ضرورت نہیں ہے۔
کیونکہ ....
فاصلے قُربتیں بن گئے ہیں۔، قُربتوں میں بھی فاصلوں کا احساس جاتا رہا ہے۔

دھرنا

سب سے پہلے سیکریٹری نے انھیں اس بات سے مطلع کیا تھا۔
"آپ نے آج کا اخبار پڑھا ؟ " فون پر اُس نے پوچھا۔
"آپ کے فون کی آواز سے جاگا ہوں۔ تو بھلا اخبار کس طرح پڑھ سکتا ہوں۔ کہیئے، کوئی خاص بات، خاص خبر ؟ "

"ہاں ! سرکار نے ان اسکولوں کی فہرست جاری کی ہے جن کو سرکار نے منظوری نہیں دی ہے۔اِس فہرست میں ہماری اسکول کا بھی نام ہے۔"دُوسری طرف سے آواز آئی۔
"کیا، کیا کہہ رہے ہیں آپ ..... سرکار نے ہمارے اسکول کو منظوری نہیں دی ..... تو کیا ہماری اتنی بھاگ دوڑ، خط و کتابت، وزیروں ، آفیسروں سے ملنا جلنا، اُن کی خاطر مدارات سب بے کار گیا ؟"
"سب بے کار گیا، صدر صاحب ..... ! مجھے پہلے ہی سے ڈر تھا کہ ایسا ہی ہو گا اور ایسا ہی ہوا ہے ..... ہمیں پہلے ہی اطلاع مل گئی تھی۔اِس سال بھی سرکار نے ہماری اسکول کو منظوری نہیں دی ہے ..... اور اب تو ساری دُنیا کو معلوم ہو جائے گا صدر صاحب ! طوفان .....

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"ہاں سیکریٹری صاحب ! " وہ تشویش بھرے لہجے میں بولے۔"اِس طوفان کی آمد کو میں بھی محسوس کر رہا ہوں۔ "

اور اِس کے بعد تو اور بھی کئی طوفان آئے۔

لوگوں کو جواب دیتے دیتے اُن کا سر چکرانے لگا .....

وہ تو اِس بات سے ہی فکر مند تھے کہ لوگوں کو فون پر سمجھانا مشکل ہو رہا ہے۔جب وہی لوگ اُن کے سامنے ہوں گے تو وہ کس طرح اُن کو سمجھا پائیں گے ؟

"گپتا جی نے جو اسکول کھولی ہے اُسے تو ابھی تک سرکار کی منظوری بھی نہیں ملی ہے۔اِس اسکول میں ہمارے بچے پڑھ رہے ہیں۔یہ تو اُن کی زندگی کے ساتھ بہت بڑا کھلواڑ ہے۔ "

"گپتا جی ! آپ نے تو میرے بچے کو کہیں کا نہیں رکھا۔ آپ کی اسکول کو ابھی تک منظوری نہیں ملی ہے، اِس کا

مطلب آپ کی اسکول سے نکلنے کے بعد میرے بچے کو کسی بھی اسکول میں داخلہ نہیں ملے گا ...

"گپتا جی ! اسکول کھولنے کے نام پر آپ نے جنتا سے لاکھوں روپے جمع کئے ہیں۔پیسہ تو آپ نے جمع کر لیا لیکن اسکول کو منظوری نہیں دِلائی۔ "

وہ ساری باتیں سننے کے بعد ایک ہی جواب دیتے۔

"آپ کو فکر مند ہونے اور جوش، غصے میں آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔یہ سب سرکاری داؤ پیچ اور ہتھکنڈے ہیں۔ایک ماہ کے اندر ہماری اسکول کو منظوری مل جائے گی۔ "

اُنھوں نے بڑے اعتماد سے ہر کسی کو جواب دیا اور طے کیا کہ ہر کسی کو یہی جواب دیں گے۔لیکن وہ اپنے اعتماد کے کھوکھلے پن کے بارے میں سوچ سوچ کر خود ہی کانپ اُٹھتے تھے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"دو سال سے منظوری حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جاچکی ہے۔کاغذی کاروائی اور خط و کتابت سے فائلوں کا ڈھیر تیّار ہو گیا ہے۔ محکمہ تعلیم سے وِزارتِ تعلیم، وِزارتِ تعلیم سے سیکریٹریٹ، سیکریٹریٹ سے وزیرِاعلیٰ کے دفتر کے چکّر لگاتے لگاتے اُن کے ساتھ ساتھ سیکریٹری، اسکول کے کچھ ممبران، ہیڈ ماسٹر، کلرک، ٹیچرس کی چپلیں گھس گئی ہیں۔ لیکن پھر بھی منظوری نہیں مل سکی۔

فوراً منظوری حاصل کرنے کا راستہ بھی بتایا گیا تھا۔کچھ لے دے کر کام کر لیا جائے۔لیکن مانگ اتنی بڑی تھی کہ اُن کے ساتھ ساتھ پورے بورڈ کو سوچنے پر مجبور ہونا پڑا تھا۔

بات یہ بھی نہیں تھی کہ جو مانگ تھی وہ پوری نہیں کی جاسکتی تھی۔مانگ کی رم کا انتظام ہوسکتا تھا۔مانگ سے کئی گنا زیادہ رقم اُن کے پاس موجود تھی۔

لیکن وہ اپنے اُصول پر اُڑ گئے۔

"ہم لوگوں سے لیتے ہیں ..... ہم بھلا دُوسرں کو کیوں دیں۔اور پھر ہم جو کچھ کر رہے ہیں اِس میں ہمارا ذاتی مفاد تو کچھ بھی نہیں ہے۔ہم یہ عوام کی خدمت کے لئے کر رہے ہیں۔ہم چاہتے ہیں کہ ہماری اسکول سے جو بچے تعلیم حاصل کریں وہ اتنے قابل ہوں جو دُنیا کے ہر مقابلے میں اپنی قابلیت اور لیاقت کی بُنیاد پر کامیاب ہو کر ہمارا، ہماری اسکول کا نام روشن کریں۔اِس لئے ہم نے تعلیم کے معیار پر بہت زیادہ توجہ دی ہے۔ "

اور یہ بات تو عوام سے بھی منوا لی تھی کہ اُن کی اسکول کا تعلیمی معیار دُوسری اسکولوں کے معیار سے بہت اونچا ہے۔ ٹیچر بہت محنت کرتے ہیں۔

اِسی لئے تو ان کی اسکول میں داخلہ لینے کے لئے بچوں کے والدین کی قطاریں لگ گئی تھیں اور وہ اپنی قطاروں کا فائدہ اُٹھاتے تھے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دیکھئے آپ اچھی طرح جانتے ہیں ، ہماری اسکول کا تعلیمی معیار کتنا اونچا ہے۔لیکن کیا کریں ، ہماری اسکول کو کوئی سرکاری گرانٹ تو ملتی نہیں۔آپ سے ڈونیشن، فیس اور عوام سے اسکول چلانے کے لئے جو چندہ ملتا ہے اُسی سے یہ اسکول چلتی ہے۔اِس لئے آپ لوگ ہماری مجبوریوں کو سمجھیں۔ہم ڈونیشن کے نام پر آپ سے جو مانگ رہے ہیں وہ مانگ ہماری مجبوری ہے۔ہم آپ لوگوں کی مجبوری کا ناجائز فائدہ نہیں اُٹھا رہے ہیں۔اِس لئے آپ ہماری مجبوریوں کو سمجھتے ہوئے اور اپنے بچوں کے تابناک مستقبل کے لئے زیادہ سے زیادہ رقم دیں ، تاکہ اسکول چلانے میں ہمیں کوئی دِقّت نہ ہو اور ہم آپ کے بچوں کا مستقبل بنا سکیں۔ "

اپنی مجبوریاں بتا کر اور لوگوں کو اُن کے بچوں کے سنہرے مستقبل کا خواب دِکھا کر اُنھوں نے بچوں کے داخلوں کے نام پر اونچی ڈونیشن وصول کی تھی۔

اس کا کہیں کوئی حساب کتاب نہیں تھا۔وہ لاکھوں روپے اُن کی تجوری میں جمع تھے اور اُن کے بزنس میں لگے ہوئے تھے۔

اسکول کھولنے کے نام پر بھی اُنھوں نے عوام سے لاکھوں روپے جمع کئے تھے، جن سے اُن کا کاروبار بڑھا تھا۔اِس کے علاوہ بھی وہ آئے دِن اسکول چلانے کے نام پر امیروں سے عطیات وصول کرتے رہتے تھے۔

اِس طرح کتنا روپیہ جمع ہوا اور اسکول کے قیام، چلانے پر کتنا روپیہ خرچ ہو گیا، کتنا روپیہ باقی ہے، باقی بھی ہے یا نہیں ؟ اِس بارے میں تو اسکول کے انتظامیہ کے اراکین کو بھی علم نہیں تھا۔

سیکریٹری کو کچھ کچھ معلوم تھا۔لیکن وہ تو اُن کا اپنا آدمی تھا۔ تمام ممبران صرف یہ جانتے تھے کہ اسکول کے لئے جگہ خریدی گئی ..... اس جگہ عمارت تعمیر کر کے اسکول قائم

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی گئی ..... اسکول شروع ہوئی ..... اسکول چلانے کے لئے ٹیچر اور ضروری عملہ متعین کیا گیا۔اسکول اور ٹیچر کی تنخواہ کا خرچہ دِن بہ دِن بڑھتا ہی جا رہا تھا۔تمام اخراجات وہی ادا کرتے ہیں۔اب اتنے پیشے تو جمع ہونے سے رہے۔ضرور گپتا جی اپنی جیب سے بھی پیسہ لگائے ہوں گے، بڑے آدمی ہیں۔بھگوان نے دَھن کے ساتھ ساتھ بڑا دِل بھی دیا ہے۔اِسی لئے تو اسکول میں دِل کھول کر پیسہ لگاتے ہیں۔ہمیں اسکول کا ممبر بنا لیا، یہی اُن کا بڑا پن ہے۔اِس ممبر شپ کے بدلے میں وہ ایک پیسہ بھی تو نہیں مانگتے ہیں نہ پہلے کبھی لیا۔لوگ ایسے عہدوں کو پانے کے لئے لاکھوں روپے خرچ کرتے ہیں ، پھر بھی اُنھیں اِس طرح کے عہدے مل نہیں سکتے۔لیکن گپتا جی نے ہمیں یہ عہدہ مفت میں دیا ہے، یہ اُن کا بڑا پن ہے۔ممبران اب تک اُن کے بارے میں شاید یہی سوچتے تھے۔لیکن جب اُنھیں پتہ چلے گا کہ ابھی

تک اسکول کو منظوری بھی نہیں ملی ہے۔تو اب وہ ضرور پوچھیں گے۔

"گپتا جی ! ہماری اسکول او ابھی تک منظوری کیوں نہیں مل پائی ؟ "

"اُنھیں سمجھانا کون سی بڑی بات ہے۔"اُنھوں نے اپنا سر جھٹک دیا اور بڑبڑائے۔"کہہ دوں گا وزیر منظوری دینے کے دس لاکھ روپے مانگ رہا ہے۔اسکول کے اراکین کے ناطے آپ لوگ ایک ایک لاکھ روپے دیں۔اسکول کو منظوری مل جائے گی۔یہ سنتے ہی سب کی سٹی گُم ہو جائے گی۔میں نے اراکین میں ایسے ایسے کنجوس جمع کئے ہیں جو سگریٹ کے لئے بھی ایک روپیہ خرچ کرنے سے پہلے دس بار سوچتے ہیں۔اُنھیں ایک لاکھ روپے چندہ دینے کے نام پر سانپ سونگھ جائے گا۔اِس کے بعد اُن سے صاف کہہ دوں گا، آپ لوگ اتنا نہیں کر سکتے اور پھر بھی اسکول کے ممبر بنے رہنا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

چاہتے ہیں تو اسکول میں کیا ہو رہا ہے ؟ اِس پر دھیان نہ دیں۔میں سب سنبھال لوں گا.....

اِس کے بعد سب کی بولتی بند ہو جائے گی۔ "

وہ اسکول گئے تو اسکول میں بچوں کے گھر والوں کا تانتا لگ گیا۔

"آپ کے اسکول کو ابھی تک منظوری نہیں مل سکی۔اِس طرح تو آپ کے اسکول میں پڑھ کر ہمارے بچوں کی زندگی برباد ہو جائے گی۔وہ کہیں کے نہیں رہیں گے۔آپ اِسی طرح ہمارے بچوں کی زندگیوں سے تو نہ کھیلیئے" .....

اُن کا ایک ہی جواب ہوتا۔

"آپ بے فکر رہیئے، ہماری اسکول کو ایک ماہ کے اندر منظوری مل جائے گی۔ "

بچوں کے ماں ، باپ سے نجات ملی تو ہیڈ ماسٹر اور ٹیچرس نے اُنھیں گھیر لیا۔

"سر ! ہم ایک اُمید پر کم تنخواہ میں بھی سخت محنت کر کے بچوں کو پڑھا رہے ہیں کہ گرانٹ ملنے کے بعد ہمیں اچھی تنخواہ ملے گی، لیکن اسکول کو ابھی تک منظوری ہی نہیں ملی ہے تو گرانٹ کس طرح ملے گی ؟

"سب ٹھیک ہو جائے گا، آپ لوگ اپنی اپنی کلاس میں جائیے۔ "

سب چپ چاپ اپنی اپنی کلاسوں میں چلے گئے۔

اُن کے جانے کے بعد اُنھوں نے سیکریٹری، کلرک اور ہیڈ ماسٹر کا حکم دیا۔

"بی، ڈی، او، زیڈ، پی، ایجوکیشن چیئرمین، محکمہ تعلیم، وِزارتِ تعلیم اور وزیرِتعلیم سب جگہ ایک خط بھیج دو۔اگر ایک ماہ کے اندر ہماری اسکول کو منظوری نہیں دی گئی تو اسکول کے انتظامیہ کے اراکین، ہیڈماسٹر، ٹیچر، کلرک اور چپراسی اسکول میں پڑھنے والے سبھی بچے اور اُن کے والدین

www.iqbalkalmati.blogspot.com

منترالیہ کے سامنے بھوک ہڑتال کریں گے۔اور منظوری ملنے تک دھرنا دیں گے۔اِس خط سے دیکھنا ہلچل مچ جائے گی اور ایک ماہ کے اندر منظوری کا خط ہمارے ہاتھوں میں ہو گا۔ "

اُن کی بات سن کر ہر کسی کی آنکھوں میں اُمید کی ایک نئی کرن جگمگانے لگی۔

دھمکی بھی کارگر ثابت نہیں ہوسکی۔کچھ جگہوں سے تو دھمکی کا کوئی جواب ہی نہیں آیا اور کچھ جگہوں سے ٹکا سا جواب آیا تھا۔

"ضابطوں اور اُصولوں کے مطابق آپ کی اسکول کو منظوری نہیں دی جاسکتی ہے۔ "

سب کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

"ٹھیک ہے۔"پتہ نہیں کیوں پھر بھی اُن کی آنکھوں میں ایک خود اعتمادی تھی۔۲۰ ! تاریخ کو یہاں سے منترالیہ تک

ایک مورچے کا انتظام کیا جائے۔۲۰ !تاریخ کو تمام منجمینٹ کے اراکین، ہیڈ ماسٹر، ٹیچرس، اسٹاف، تمام بچے اور بچوں کے ماں ، باپ اِس دھرنے میں شامل ہونے چاہئیں۔سب مل کر منترالیہ پر دھرنا دیں گے اور اسکول کی منظوری نہ ملنے تک بھوک ہڑتال کریں گے " .....

"جی ..... ! " سب نے ایک ساتھ جواب دیا۔

۲۰ ! تاریخ کو دو لاریوں میں ۲۲۰ سے زائد بچوں کو ٹھونس ٹھونس کر بھرا گیا۔جگہ اِتنی تنگ تھی کہ بچے نہ کھڑے ہوسکتے تھے نہ بیٹھ سکتے تھے۔اُنھیں سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔لیکن وہ کوئی فریاد نہیں کر سکتے تھے۔فریاد سننے والا کوئی نہیں تھا۔

ایک بڑی سی گاڑی میں انتظامیہ کے اراکین تھے۔دُوسری چھوٹی گاڑی میں ہیڈ ماسٹر، ٹیچرس اور اسٹاف تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

صرف چند بچوں کے ماں ، باپ مورچے میں شامل ہونے کو تیّار ہوئے تھے۔اُنھیں مورچے کے مقام پر پہنچنے کے لئے کہا گیا تھا۔دو گھنٹے بعد گاڑیاں آزاد میدان میں جا کر رُکیں۔

بچے گاڑیوں سے اُترے تو اُنھیں ایسا محسوس ہوا جیسے اُنھیں کسی جہنم سے نجات مل گئی ہے۔

سورج سر پر چڑھ آیا تھا اور آسمان آگ برسا رہا تھا۔

مورچے کی تیّاری کی جانے لگی۔بچوں کے ہاتھوں میں تختیاں اور بینرس دے کر اُنھیں نعرے یاد کرائے جانے لگے۔اُنھیں ضروری ہدایتیں دی جانے لگیں۔

"سر! پانی، بہت لگی ہے۔"کوئی بچہ ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا تو اُس کی آواز میں سیکڑوں آوازیں شامل ہو گئیں۔

"یہاں پانی نہیں ملے گا۔ہم یہاں بھوک ہڑتال کرنے آئے ہیں ، کھانے پینے نہیں۔"ایک ٹیچر نے اُسے سمجھایا تو بچے اپنے پھٹے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگے۔

پیاس سے حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے۔گلے سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔اوپر سر پر سورج آگ برسا رہا تھا۔لیکن پھر بھی وہ پوری قوت سے نعرے لگاتے لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھ رہے تھے۔

"ہماری مانگیں پوری کرو " ....

"ہماری اسکول کو منظوری دو " .....

"ہماری زندگیوں سے مت کھیلو " .....

" وزیرِتعلیم ! ہائے، ہائے " .....

"محکمۂ تعلیم ! ہائے، ہائے " .....

" وزیرِاعلیٰ ! مُردہ باد " .....

ٹیچرس بچوں پر نظر رکھے ہوئے تھے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اُنھیں زور زور سے نعرے لگانے کے لئے اُکساتے۔کوئی بچہ نعرہ نہیں لگاتا تو اُسے ٹوکتے۔آپس میں باتیں کرنے والے بچوں کو ڈانٹتے۔کسی کسی پر ہاتھ بھی اُٹھا دیتے۔بچوں کو قطار میں ٹریفک سے بچ کر چلنے کی ہدایتیں دیتے۔

انتظامیہ کے اراکین ایک دُوسرے کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے چل رہے تھے۔کبھی کوئی ممبر سب کے لئے آئس کریم یا کولڈ ڈرنک لے آیا تو کوئی سافٹ ڈرنک کی بوتلیں یا پھر کھانے پینے کی کوئی چیز۔ان سب کا لُطف اُٹھاتے وہ مورچے کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

دو گھنٹے بعد مورچہ منترالیہ پہنچ گیا۔منترالیہ سے پہلے ہی بڑے سے میدان میں پولس نے اُنھیں روک لیا۔

سب میدان میں دھرنا دے کر بیٹھ گئے۔

آگے آگے گپتا جی، سیکریٹری اور انتظامیہ کے اراکین تھے۔اُن کے پیچھے ہیڈ ماسٹر، ٹیچر، دیگر اسٹاف اور اُن کے پیچھے بچے۔

سب زور زور سے نعرے لگا رہے تھے۔

سب کو سختی سے حکم دیا گیا تھا کہ وہ اتنی زور سے چیخیں کہ منترالیہ کی چھتیں ہل جائیں۔

لیکن دس کروڑ عوام کی چیخوں سے جن کا کچھ نہیں بگڑتا تھا، سو دو سو بچوں کے نعرے بھلا اُن کا کیا بگاڑ سکتے تھے۔

کسی وزیر کی گاڑی آتی تو " زندہ باد، مردہ باد " کے نعرے اور زور زور سے لگائے جاتے۔

بھوک پیاس سے بچوں کا برا حال تھا اوپر سے تپتی دھوپ جس زمین پر وہ بیٹھے تھے وہ بھی تندور کی طرح تپ رہی تھی۔بچوں کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔اچانک ایک بچہ چکرا کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔سب اُس کی طرف دوڑے۔اُسے ہوش میں لانے کی کوشش کی جانے لگی۔لیکن بچہ آنکھ نہیں کھول رہ تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

قریب کھڑے ڈاکٹر نے بچے کو چیک کیا اور متفکر آواز میں بولا۔

"اِس بچے کی حالت بہت نازک ہے۔اِس کا بلڈ پریشر لو ہو رہا ہے۔اِسے فوراً اسپتال پہنچانا بہت بہت ضروری ہے۔ "

"نہیں ! " گپتا جی ڈٹ گئے۔"چاہے بچے کی جان چلی جائے۔ بچہ دھرنے سے نہیں ہٹے گا۔جب تک ہماری مانگ پوری نہیں ہوتی، کوئی بھی بچہ یہاں سے نہیں ہلے گا۔ "

اِس درمیان دو اور بچے چکرا کر گر گئے تھے۔

کئی بچوں نے بھوک اور کمزوری سے اپنی گردنیں اپنے ساتھیوں کے کاندھوں پر ڈال دی تھیں ، کچھ کمزوری کی وجہ سے زمین پر لیٹ گئے تھے۔ڈاکٹر اور وہاں پہرہ دینے والے پولس والوں کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ گپتا جی اور اُن کے ساتھیوں پر فاتحانہ مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

خبریں منترالیہ میں پہونچیں اور وہی ہوا جو ایسے موقعوں پر ہوتا ہے۔منترالیہ ہلنے لگا۔

"ایک آدھ بچہ مر گیا تو اپوزیشن اور پریس سارا آسمان سر پر اُٹھا لیں گے اور ہماری حکومت کے دُشمن ہو جائیں گے۔اُن سے کہہ دو کہ وہ دھرنا ختم کر کے واپس اپنے شہر چلے جائیں۔اُن کی اسکول کی منظوری کے بارے میں سنجیدگی سے غور کیا جائے گا۔"

ایک سیکریٹری بولا۔

"سر وہ منظوری سے کم کسی بھی وعدے پر بات کرنے کو تیّار نہیں ہے۔صفا کہتے ہیں کہ اُن کی اسکول کو منظوری دی جائے گی تب ہی وہ دھرنے سے ہٹیں گے۔ "

اِس درمیان چار اور بچوں کے بے ہوش ہونے کی خبر اوپر پہونچی۔ وزیرِتعلیم کے سارے سیکریٹری گھبرا گئے۔ وزیرِاعلیٰ کے سیکریٹری کے بھی کان کھڑے ہو گئے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بات وزیرِاعلیٰ تک پہونچ گئی تھی۔وہ غصے سے بولا

"تماشہ بنا کر بات مت بڑھاؤ۔ وزیرِتعلیم سے فوراً کہو کہ میرا حکم ہے۔اُن کی اسکول کو فوراً منظوری دے دو۔ "

نیچے آ کر گپتا جی کو یہ خبر دی گئی۔

" وزیرِتعلیم نے آپ کی اسکول کو منظوری دے دی ہے اور وہ آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ "

گپتاجی کا چہرہ گلاب کی طرح کھل اُٹھا۔

"میرے پیارے ساتھیوں اور بچوں ! ہمارا دھرنا کامیاب رہا۔جس کام کے لئے ہم نے دھرنا دیا تھا، مورچہ نکالا تھا وہ کام ہو گیا ہے۔وزیرِ تعلیم نے ہماری اسکول کو منظوری دے دی ہے۔اِس دھرنے میں ہمیں جو تکلیفیں اُٹھانی پڑیں ، وہ رنگ لائی ہیں۔کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا پڑتا ہے، کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔اپنے حقوق کو حاصل کرنے کے لئے جو لڑائیاں لڑی جاتی ہیں اُن میں مشکلات اور تکلیفیں تو

اُٹھانی پڑتی ہیں ، لیکن آخر میں جیت سچائی کی ہی ہوتی ہے۔ آپ لوگ دھرنا ختم کر کے شہر واپس چلے جائیں۔میں اور کمیٹی کے اراکین منتری جی سے بات کر کے آتے ہیں ..... منتری جی نے ہمیں چائے پر بلایا ہے۔

نئی صدی کا عذاب

ٹینک شہر کی سڑکوں پر گولے برساتے آگے بڑھ رہے تھے، لوگ بے تحاشہ خود کو ٹینک کے گولوں سے بچانے کے لئے اِدھر، اُدھر بھاگ رہے تھے۔گولے کبھی کسی بلڈنگ کی دیوار سے ٹکرا کر پھٹتے اور آگ کا ایک شعلہ سا بلند ہوتا، اِس کے بعد پھر دھُواں۔دھیرے دھیرے جب دھُواں صاف ہوتا تو بلڈنگ میں پڑے شگاف صاف دِکھائی دیتے۔کبھی کوئی خون میں لت پت زخمی یا پھر کوئی لاش

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کبھی ٹینک کے گولے سڑک پر گر کر سڑک پر گڑھے پیدا کر دیتے اور کبھی لوگوں کو زخمی کر دیتے، کبھی ٹینک مکانوں کی دیواروں کو ڈھاتے، مکینوں کی پرواہ کئے بِنا مکانوں کو ملبے کا ڈھیر بناتے آگے بڑھ جاتے۔

کبھی آسمان پر کوئی ہوائی جہاز نمودار ہوتا اور اس بستی پر بم برساتا آگے بڑھ جاتا۔بم بستی میں گر تے دھماکے اور شعلے بلند ہوتے، دھُ ئیں کا ایک بادل پوری بستی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا۔جب دھُ واں چھٹتا تو ملبے کے ڈھیر میں تبدیل مکانات دِکھائی دیتے اور ان ملبے کے ڈھیروں پر ماتم کرتے مکین یا پھر کراہتے زخمی۔

کبھی آسمان میں ہیلی کاپٹر نمودار ہوتے اور ان میں سوار سپاہی ہیلی کاپٹر سے نیچے سڑکوں اور گلیوں میں آتے جاتے لوگوں پر اندھا دھُند گولیاں برساتے۔گولیوں کی آوازیں

سُن کر لوگ اِدھر اُدھر بھاگتے، کچھ گولیاں کھا کر گرتے اور زمین پر گر کر تڑپنے لگتے تو کچھ گر کر ٹھنڈے ہو جاتے۔

بندوق بردار سپاہی اندھا دھُند گولیاں برساتے آگے بڑھتے بھیڑ کبھی خود کو گولیوں سے بچاتی تو کبھی گولیاں برسانے والوں پر پتھراؤ کرتی۔

گولیوں کا جواب پتھروں سے دیا جاتا۔

ایک طرف لاشوں کے ڈھیر لگتے تو دُوسری طرف کبھی کوئی وَردی والا معمولی طور پر زخمی ہوتا۔

"یہ ہے مقبوضہ فلسطین۔آئے دِن ہم یہاں سے آپ کے لئے اِسی طرح کی خبریں لاتے ہیں " .....

ٹی وی کے اسکرین پر ایک چہرہ نمودار ہوا اور پھر اسکرین پر منظر تبدیل ہو گیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دو فلک بوس عمارتیں۔ آسمان کی بلندیوں کو چھوتی ہُ ئی سینہ تان کر کھڑی اِن اَمارت، شان و شوکت، عظمت اور قوت کا مظہر۔

اچانک ایک ہوائی جہاز اُڑتا ہُ ا آیا اور اِس سے ٹکرا گیا۔

ایک پل میں ہی وہ عمارت شعلوں میں گھر گئی۔ اب اِس عمارت سے صرف شعلے اور دھُ واں اُٹھ رہا تھا۔

اُسی وقت دُوسرا ہوائی جہاز آ کر دُوسری عمارت سے ٹکرایا اور وہ بھی شعلوں میں گھر گئی۔

شعلوں میں گھری اس عمارتوں کی ایک ایک منزل ڈھہنے لگی، چاروں طرف صرف شعلے اور دھُ واں تھا اور ان کے درمیان ڈھہتی اپنے وجود کھوتی دو بلند شگاف عمارتیں

.....

"داڑھی والا " .....

"پکڑو ! اِسے بچ کر جانے نہ پائے۔ "

"مارو اِسے مارو !..... یہ دہشت گرد ہے۔ اِس ساری تباہی کا ذمہ دار ہے۔ "

ایک بھیڑ اس کے پیچھے لگی ہوئی تھی اور وہ جان بچانے کے لئے اپنے جسم کی ساری قوت یکجا کر کے بھاگ رہا تھا۔

لیکن اپنے آپ کو کب تک اس بھیڑ سے بچا پاتا ..... لوگ بھوکے کتوں کی طرح اس پر ٹوٹ پڑے۔

کچھ لمحوں بعد ہی سڑک پر اس کا بے جان جسم پڑا ہُ ا تھا۔

اپنے ڈوبتے حواس کے ساتھ اس نے صرف ایک بار آخری لمحہ میں سوچا۔

"جو کچھ میرے ساتھ ہُ ا ہے، اس وقت دُنیا میں سیکڑوں ہزاروں لوگوں کے ساتھ ہو رہا ہے۔ "

---

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اذان ابھی مکمل بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ پتھراؤ شروع ہو گیا۔وہ مستقل بھیڑ تھی جو کبھی پتھر برساتی تو کبھی آگ کے گولے پھینکتی۔کبھی گولیاں داغی جاتی۔ایک حصہ تو پوری قوت لگا کر توڑا جانے لگا تو دُوسرے حصّے سے آگ کی لپٹیں اُٹھنے لگیں .....

"اے یو مسٹر " ..... !

"کون؟ میں " ! ...

"ہاں تم ! طیّارے سے نیچے اُترو" .....

"مگر کیوں ؟ مجھے تو پیرس جانا ہے " ....

"نہیں ! حفاظتی اقدام کے تحت ہمیں تمھیں طیّارے سے نیچے اُتارنا پڑے گا۔ہمیں شک ہے کہ تم دہشت پسند ہو اور اس طیّارے کا اغوا کر کے کوئی بہت بڑا دہشت گردی کا کارنامہ انجام دینے والے ہو " .....

"اِس شک کی کوئی وجہ ..... ؟ "

"تمہارا یہ عربی لباس اور تمہاری یہ داڑھی " ! .....

"کیا عربی لباس اور داڑھی دہشت گرد ہونے کی علامت ہے۔ "

"ہم کو معلوم نہیں۔ہمیں ایسے ہی احکامات دئے گئے ہیں اور اس وقت ساری دُنیا میں اِس طرح کی احتیاطی کاروائیاں ہو رہی ہیں " .....

"مطلب کا پھیر ہے۔احتیاطی کاروائی کے نام پر دہشت گردی کی کاروائیاں " .....

تاریک آسمان گڑگڑاہٹ سے گونج رہا تھا اور پھر دھماکوں کی آوازیں گونجنے لگیں .... کبھی کبھی دھماکوں میں بے بسی بھری چیخیں بھی شامل ہو جاتی .....

"ابا ! کیا پھر حملہ ہُوا ہے ؟ "

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"بیٹا ! اب یہ تو روز کا معمول ہے۔ "

"لیکن ہم پر حملہ کیوں کیا جا رہا ہے ؟ "

"اپنی اَنا کی تسکین کے لئے ..... معصوم لوگوں کا خون بہا کر .... اُن کے گھروں کو اُجاڑ کر ..... اُن کے ملک کو کھنڈر میں تبدیل کر کے، اپنی طاقت آزما کر ..... اپنے جھوٹے غرور کا انتقام لیا جا رہا ہے۔ "

"بابا یہ کب تک چلے گا ؟ "

"جب تک اُن کی اَنا کی تسکین نہ ہو جائے۔ "

"بابا ہمیں چار دِنوں سے کھانا نہیں ملا، ہم بھوکے ہیں۔ "

"اُنھوں نے بمباری سے ہمارے گھروں کو تو اُجاڑا، اناج کے گوداموں ، اسپتالوں اور راحت کاری انجام دینے والے اداروں کے دفاتر کو بھی نہیں چھوڑا ہے بیٹا " .....

"بابا آخر وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں ؟ "

"کہتے ہیں یہ ہماری دہشت گردی کے خلاف لڑائی ہے،

دہشت گردی کے خلاف جنگ، دہشت گردی کر کے ..... ؟

ٹرین کا جلا ہُوا ڈبہ اور جلی ہُوئی لاشیں بار بار ٹی وی پر دِکھائی جا رہی ہیں۔

لیڈروں کے اشتعال انگیز بیانات ٹی وی کے اسکرین پر اُبھر رہے ہیں۔

جلی ہُوئی لاشیں...

اشتعال انگیز بیانات ...

عوام کے غم و غصے میں بھرے چہرے...

جلی ہُوئی لاشیں ، ٹرین کا جلا ہُوا ڈبہ...

اشتعال انگیز تقریریں ، بیانات...

ہزاروں کی بھیڑ ہے جو اشتعال انگیز اور نفرت انگیز نعرے لگاتی بڑھ رہی ہے۔پولیس چپ چاپ تماشائی بنی اُن

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کو مسکراتے ہُوئے دیکھ رہی ہے اور تمباکو مسل کر اپنے منہ میں ڈال رہی ہے۔

دوکانوں اور مکانوں کو آگ لگائی جا رہی ہے.....

لوگوں کو دہکتی آگ میں ڈالا جا رہا ہے.....

انہیں ترشولوں سے چھیدا جا رہا ہے.....

حاملاؤں کے پیٹ کاٹ کر ان سے بچے نکالے جا رہے اور انہیں دہکتی آگ میں ڈالا جا رہا ہے

عصمتیں تاراج ہو رہی ہیں۔

چن چن کر دوکانوں ،مکانوں ،کاروباری ٹھکانوں کو آگ لگائی جا رہی ہے.....

یہ جو کچھ ہو رہا ہے ردِّ عمل ہے۔"اگر وہ عمل نہیں ہوتا تو اس کا رد عمل نہیں ہوتا۔ "

"حالات پر قابو پانے کے لیے ملٹری بلائی تو ہے لیکن ابھی شہر ملٹری کے حوالے نہیں کیا جا سکتا اس کی کچھ قانونی

مجبوریاں ہیں۔ایک ایک ملٹری کی گاڑی کے ساتھ ایک ایک مجسٹریٹ دیا جائے گا۔اور حالات کو دیکھتے جب وہ مجسٹریٹ گولی چلانے کا آرڈر دے گا تب ہی فوج گولی چلائے گی"

۔سارا شہر فساد میں گھرا ہے۔مجسٹریٹوں کی تلاش جاری ہے۔

جب اتنے مجسٹریٹ مل گے تو پھر شہر کو فوج کے حوالے کیا جائے گا۔

شہر میں لوٹ مار،آتش زدگی،چھرے بازی اور ترشول بازی جاری ہے۔

لوگ مر رہے ہیں ، عورتوں کی عصمتیں لُوٹی جا رہی ہیں ،بچے یتیم ہو رہے ہیں ، مسجدوں ، درگاہوں کو مسمار کر کے وہاں منادر بنائے جا رہے ہیں اور ان میں ہنومان جی کی مورتیاں رکھی جا رہی ہیں۔

وحشیوں کا ٹولہ پوری پوری بستیوں کو جلا کر خاک کر رہا ہے .....

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ان بستیوں کے مکینوں کو آگ میں بھون رہا ہے .....

انتظامیہ تماشا ئی ہی نہیں ہے، ان تمام واقعات میں پوری طرح ملوث ہے .....

نئے قائدین کے چہرے ابھر رہے ہیں۔

ایڈوانی،مودی،توگڑیا،با ل ٹھا کرے

ایک کیمپ ...

اِس میں لاکھوں لوگ مقید .....

لُٹے ہُ وئے، شکستہ، زخموں سے چُور .....

کسی نے اپنا پورا خاندان کھو دیا ہے، تو کسی کی بہن لاپتہ ہے، تو کسی کا جوان بیٹا ترشولوں سے چھید کر آگ میں بھون ڈالا گیا۔

بے یار و مدد گار، بھوکے پیاسے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہاں نہ پینے کے لئے پانی ہے اور نہ کھانے کے لئے کچھ ..... نہ علاج کے لئے دوائیاں .....

لیکن پھر بھی وہ شکر ادا کر رہے ہیں۔اس جگہ وہ اپنے آپ کو محفوظ محسوس کر رہے ہیں۔

"سرکار اِس طرح کے کیمپوں کی ذمہ داری نہیں لے سکتی، اِس طرح کے کیمپ اَمن و اَمان کے لئے خطرہ ہیں " .....

"اِس طرح کے کیمپ دہشت گردوں کے اَڈّے ہیں۔اِن کیمپوں میں دہشت گرد پناہ لے رہے ہیں۔ "

یہ کیمپ ملک دشمن سرگرمیوں کے اڈّے بنتے جا رہے ہیں۔

یہ آبادی بڑھانے کے کارخانے ہیں.....

لوٹ مار،آتش زدگی،قتل و خون جار ی ہے۔

اِن لوگوں کو غصہ نہیں آتا ہے، لیکن جب غصہ آتا ہے تو پھر وہ غصہ جلدی ٹھنڈا نہیں ہو تا ہے۔جب تک غصہ ٹھنڈا نہیں ہو تا یہ چلتا رہے گا .....

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گورو یا ترا جاری ہے۔

لوگ یاترا میں شامل اشتعال انگیز نعرے لگا رہے ہیں۔

یاترا کا میر کارواں اشتعال انگیز اور نفرت انگیز تقریر کر رہا ہے۔

لاکھوں لوگوں کو بے گھر ... اُن کی زندگی کا سرمایہ اُجاڑ کر ... اُن معصوم لوگوں کو قتل کر کے، بچوں کو یتیم کر کے، عورتوں کو بیوہ اور عصمتوں کو تاراج کر کے، اُن کا جشن منایا جا رہا ہے۔

جگہ جگہ گورو یاترائیں نکالی جا رہی ہیں۔

اپنے اِن کارناموں پر شرم نہیں گورو کیا جا رہا ہے۔

رام، کرشن، بدھ، مہاویر کی نئی تعلیم، نئی نسل کو دی جا رہی ہے۔

"اے رُک جا .... کیا نام ہے ؟ "

"عبدا لرحیم " !

"پکڑ لو اِسے، یہ کوئی دہشت گرد لگتا ہے۔اِس کی داڑھی اِس بات کا ثبوت ہے۔ "

"نہیں صاحب ! میں دہشت گرد نہیں ہُں۔میں تو ایک تعلیم یافتہ نوجوان ہُں۔ "

"تعلیم یافتہ نوجوان ہی آج کل ملک دُشمن سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔جب تم پر پوٹا لگا یا جائے گا اور کئی سالوں تک جب تم جیل میں سڑوگے تو اگر تم دہشت گرد نہیں بھی ہو تو دہشت گرد بن جاؤ گے۔ "

"اِسی طرح دہشت گرد بنائے جاتے ہیں۔ "

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پولس کی کئی جیپیں آ کر رُکیں اور اُن میں سے مسلح پولس کے ساتھ ساتھ کمانڈوز بھی اُترے اور اُنھوں نے پوری بستی کو اپنے گھیر ے میں لے لیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے پوری بستی ایک پولس کیمپ میں تبدیل ہو گئی۔جو بھی سامنے آتا اُسے روک کر بندوق کی نوک پر اُس سے طرح طرح کے سوالات پوچھے جاتے اور بلا کسی شک و شبہ کے جس کو وہ چاہتے ہتھکڑی ڈال کر بیٹھا دیتے۔

عورتوں کی نقابیں اُٹھا اُٹھا کر اُن کے چہرے دیکھے جاتے، چہروں پر سفّاک نظریں ڈالی جاتیں ، تلاشی کے نام پر اُن کے جسم کو چھو کر لذت حاصل کی جاتی۔

چلتی گاڑیوں کو روک کر اُن میں بیٹھے مسافروں کو نام پوچھ پوچھ کر اُتارا جاتا اور ہتھکڑیاں پہنا کر جیپ میں بیٹھا دیا جاتا۔

گھروں میں گھس کر بندوق کی نوک پر گھر کے مکینوں کو دہشت زدہ کیا جاتا اور تلاشی کے نام پر گھر کی ہر چیز تہس نہس کر دی جاتی۔

مکانوں کے بند دروازوں کو لات مار مار کر کھولا جاتا۔جو دروازے لات مارنے سے بھی نہیں کھل پاتے اُنھیں توڑ دیا جاتا۔

جن دروازوں کو توڑنے کے بعد مکان میں داخل ہوتے، اُن مکینوں پر آفت آ جاتی۔مکان کے تمام افراد یرغمال بنا لئے جاتے۔اُس سے بچنے کے لئے لوگ خوف زدہ ہو کر ہاتھ اُٹھا کر ایک قطار میں کھڑے ہو جاتے۔

قطار میں کھڑے لوگوں کے ساتھ جانوروں کی طرح برتاؤ کرتے ہُوئے طرح طرح کے سوالات کئے جاتے اور اُنھیں زد و کوب کیا جاتا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"یہ سب کیا ہو رہا ہے ؟ اور ہمارے ساتھ ایسا کیوں کیا جا رہا ہے ؟ "

"ہمیں پتہ چلا ہے کہ یہ بستی دہشت گردوں کا اڈّا ہے، حالیہ بم دھماکوں میں جن دہشت گردوں کا ہاتھ ہے اُن کا تعلق اِسی بستی سے ہے۔اور یہ کاروائی ہماری اُن دہشت گردوں کو تلاش کرنے کی مہم کا حصہ ہے۔

"ہم دُنیا سے دہشت گردی کو اُکھاڑ پھینکنا چاہتے ہیں۔ہماری جنگ دہشت گردی کے خلاف ہے، ہم جس ملک کو دہشت گرد قرار دے دیں۔دُنیا کو ماننا ہو گا کہ وہ ملک دہشت گر د ہے اور ہم اُس ملک کے خلاف جو بھی کاروائی کریں ، ہماری کاروائی دہشت گردی کے خلاف جنگ ہو گی۔"

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

رات بھر آسمان سے بم برستے رہے۔مکان، دُکان، دفاتر، سڑکیں ، چوراہے، سب کچھ اِن بموں کی زد میں آ کر تباہ ہوتے رہے۔دہشت سے گھروں میں سمٹے لوگ بموں کو پھٹتے اور اُن سے پھیلتی تباہی کو دیکھتے اپنی جانیں بچانے کی کوشش کرتے رہتے۔

روزانہ کا معمول رہا۔

ساری دُنیا میں مظاہرے ہوتے رہے۔

جنگ بند کی جائے، یہ جنگ ظلم ہے، ہم امن چاہتے ہیں ، معصوم لوگوں کی جانیں نہ لی جائیں ، جو لوگ اِس جنگ میں ملوث ہیں وہ شیطان ہیں۔

لیکن ساری دُنیا کے مظاہروں کا دو شیطانوں پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ ساری دُنیا کے مظاہروں کو نظر انداز کر کے دہشت گردی کے ذریعہ دہشت پھیلاتے رہے۔اور اپنی کاروائی کو درست قرار دیتے ہُوئے اپنی فتوحات کے شادیانے بجاتے رہے۔

سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔

اب ایک خاموشی تھی، ایک سنّاٹا۔

چاروں طرف ملبے کے ڈھیر ہیں۔ٹوٹی ہُئی عمارتوں سے دھُواں اُٹھ رہا ہے۔اُن ملبوں کے ڈھیر پر بیٹھ کر کچھ لوگ ماتم کر رہے ہیں ، تو کچھ اپنی فتح، اپنی آزادی کا جشن منا رہے ہیں۔کچھ اِن ملبوں میں اپنے عزیز و اقارب کو تلاش کر رہے ہیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

جنگ ختم ہو گئی۔لیکن ہماری دہشت گردی کے خلاف جنگ جاری ہے۔یہ اُس وقت تک ختم نہیں ہو گی، جب تک دُنیا سے آخری دہشت گرد ختم نہ کر دیا جائے گا۔ "

نئے میزان مرتب کئے جا رہے تھے۔نئے پیمانے ڈھالے جا رہے تھے۔

ایسا محسوس ہوتا تھا دہشت گردی کے خلاف جنگ کی یہ دہشت گردی نئی صدی کا سب سے بڑا عذاب بن گئی ہے۔

☆☆☆

مصنف کی اجازت سے

ان پیج سے تبدیلی، تدوین اور ای بک: اعجاز عبید

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com